قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط و کتابت

ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

۲۵/بی، گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

پوسٹ کوڈ ——— ۵۴۶۶۰

ٹیلیفون: ۸۷۶۲۱۹

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری

معاون: ثریا عندلیب

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

ناشر: عطاء الرحمٰن آرائیں

طابع: سید عبد السلیم

مطبع: آفتاب عالم پریس

۱۳، ہسپتال روڈ، لاہور

فون: ۲۲۷۳۹۲

مقامِ اشاعت: ۲۵/بی، گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

جلد ۴۶ - اکتوبر ۱۹۹۳ء شمارہ ۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ

پاکستان ——— ۱۲۰ روپے

بیرونی ممالک ——— ۱۸ امریکی ڈالر

فی پرچہ: -/۱۰ روپے

فہرست مضامین

لمعات	ادارہ	۲
ایمان بلا عمل	علامہ غلام احمد پرویزؒ	۷
ہماری سیاست	غلام رسول ازہر	۱۶
نیا جال پرانے شکاری	ڈاکٹر صلاح الدین اکبر	۱۷
تابندہ نقوش	ثریا عندلیب	۲۰
تغیرِ نفس	عبید الرحمان ارائیں	۲۳
عورت اور علماء	حسین امیر فرہاد	۲۸
مسلم قوم جو مجرم بن گئی	ایم بشیر احمد	۳۷
جاگو ہوا سویرا	آفتاب عروج	۴۴
نقد و نظر	ادارہ	۴۶
رابطہ باہمی	ادارہ	۵۱
مکتوبِ ناروے	محمد اسلم (ناروے)	۵۳
حقائق و عبر	ادارہ	۵۹
بچوں کے لئے	ادارہ	۶۳
درسِ قرآن و اشتہارات	ادارہ	۶۵
انگریزی مضمون	اکرام الحق صاحب	۸۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

جب بھی الیکشن کی رُت آتی ہے ایک راگ ہمارے ہاں اونچے سُروں میں الاپا جاتا ہے اور وہ ہے جمہوریت کا راگ۔ ساری مغربی دنیا جمہوریت کی اس نیلم پری کے حسنِ دلآرا کی اسیر ہے اور وہ ساری دنیا کو باور کرانا چاہتی ہے کہ اس سے بہتر طرزِ حکومت اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا، اس نے ان کی سوسائٹی کو کیا دیا ہے، ان کے کون کون سے مسائل کیونکر حل کئے ہیں اور باوجود اس طرزِ حکومت کی کارفرمائی کے وہ جن مسائل اور الجھنوں کا شکار ہیں وہ روز افزوں زیادہ گنجلک کیوں ہوتے جا رہے ہیں، اس کا جواب ان سے کوئی کیسے پوچھ سکتا ہے کہ اس وقت وہ بزعمِ خود انتم الاعلون ہیں، سپر پاور ہیں، دنیا میں ہر ایک پر اپنی برتری کی دھونس جما سکتے ہیں لیکن ان کے رویّے کو تنقیدی نظر سے دیکھا جائے تو حقیقت چھپائی نہیں جا سکتی کہ یہ نظامِ سرمایہ داری کے علمبرداروں کی محض ایک چال ہے۔

مشرقِ اوسط میں اس کا مطمحِ نظر تیل کی دولت پہ قبضہ اور تصرف ہے اس لئے وہ یہ نظریہ وہاں فروخت (SPONSOR) ہی نہیں کر رہی، ہاں اس خطے میں جو ان کا مخالف ہو وہ انہیں آمر نظر آتا ہے اور وہ آمریت کے مقابلے میں جمہوریت کے نام لیوا بن کر وہاں ہر طور جمہوری نظام برپا کرنے کے لئے فساد پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ مثالیں اس کی عراق، شام، لیبیا کی جا سکتی ہیں حالانکہ اسی علاقے میں چند لاکھ نفوس پر مشتمل شخصی مملکتیں بھی ہیں اور بڑے بڑے خطے بھی جن میں موروثی بادشاہتیں ہیں، عرب امارات، شرقِ اُردن اور سعودی عرب اس کی مثالیں ہیں جن کے نظام ہائے حکومت سے مغربیوں نے کبھی تعرض نہیں کیا۔

یہی حال اس خطے کا ہے جسے اب جنوبی ایشیا کہا جاتا ہے جس میں بھارت اور پاکستان شامل ہیں، جب ان کے مفادات کا تقاضا ہو تو وہ پاکستان ایسے ملک میں بے لگام آمریت کو نہ صرف برداشت کر لیتے ہیں بلکہ اس کی پشت پناہی کرتے ہیں جیسے افغان جنگ کے دوران ہوا ورنہ ان کی آنکھ کا تارا تو بھارت (انڈیا) ہے کہ وہ ان کے نزدیک دنیا کی سب سے بڑی سیکولر جمہوریت ہے۔

سنا ہے دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ میں ہر ملک کی تاریخ، جغرافیہ، وہاں کے لوگوں کے رسم و رواج، روایات، مذہبی تصورات، اعتقادات، ہر چیز پہ غور و فکر کے مستقل شعبے (جنہیں ڈیسک کہتے ہیں) قائم ہیں اور انہیں بڑے بڑے ماہرین چلاتے ہیں، حیرانی ہے کہ یہ ماہرین بھارتی سیکولر جمہوریت کے ان گنت مذہبی فسادات، جو دراصل مُسلم کشی کی مہمات ہوتی ہیں، کو کس طرح نظر انداز کرتے ہیں، مذہبی اقلیتوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیسے ان کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے اور بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی پہ وہ کیوں مہر بلب رہتے ہیں؟ ـــــ

ہاں کل تک یہ بات حیران کُن تھی مگر آج نہیں، بلی تھیلے سے باہر آچکی ہے، اس راز سے پردہ اٹھ چکا ہے، بوسنیا پہ غیر انسانی مظالم اور اس پہ ساری مغربی دنیا کی مجرمانہ خاموشی نے ان کی ساری تہذیب، انسانی حقوق کی پاسداری کے سارے دعوؤں کی قلعی کھول دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں صرف اپنے مفادات عزیز ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ساری مغربی دنیا ابھی صلیبی جنگوں کی ذہنیت لئے ہوئے ہے، اسلامی دنیا میں ذرا سی بھی بیداری، ذرا سی حرکت انہیں چونکا دیتی ہے، وہ برسے ہوئے بادل میں بھی پوشیدہ بجلیوں سے خوفزدہ ہو جاتی ہے۔ ہندوستان (بھارت) انہیں اپنے مفادات کا رکھوالا نظر آتا ہے اس لئے وہ ان کا لاڈلا ہے، اس کی آبادی، اس کی ریسورسز، صنعتی ترقی انہیں ناقابلِ تسخیر چینیوں کے انسانوں کے سمندر کا حریف نظر آتی ہے اور مسلم دشمنی اور تعصب، اس کی حمایت پہ اکساتی ہے۔

الیکشن جمہوریت کا کارنر سٹون، بلکہ بنیاد کا پتھر ہے، ہمارے ہاں الیکشن یا تو مدتوں ہوتے ہی نہیں، دس دس سال گذر جاتے ہیں اور ہم زبردستی قبضہ کرنے والوں کو قائد اور امیر مانتے رہتے ہیں اور الیکشنوں پر آتے ہیں تو ۸۵ء میں الیکشن، ۸۸ء میں الیکشن، ۹۰ء میں الیکشن اور اب ۹۳ء میں الیکشن، آٹھ سالوں میں چوتھی بار الیکشن، وہی معاملہ ہے،

نہیں آتی جو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

پولیٹیکل پارٹیاں جمہوریت کی محبت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش میں بلند سے بلند تر آواز میں راگ الاپتی ہیں، چاہے وُہ لیگ ہو ـــ نواز لیگ، جونیجو لیگ، پگاڑا لیگ، لیاقت لیگ ـــ کوئی بھی لیگ ـــ یا پیپلز پارٹی ہو جس میں اپنے ہاں الیکشن سے نہیں، نامزدگیوں سے کام چل رہا ہے، یا اسلامی جماعتیں ہوں ـــ اس سے میرا مطلب جماعت اسلامی نہیں جس میں تنخواہ دار عہدیداران ہوتے ہیں اور ان کا ایک امیر ہوتا ہے، اس میں مجلسِ شوریٰ ہوتی ہے، یہ امیر اگر پاسبانوں کو جلو میں لے کر جلو موڑ چلا جائے یا ویسے ہی اسلامک فرنٹ ہو جائے تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا، سبھی صاد کر دیتے ہیں، تنخواہ دار جو ہوئے ـــ میرا مطلب اسلامی جماعتوں سے جمعیت سی جمعیتیں ہیں جو نیازی گروپ، نورانی گروپ، سمیع گروپ، فضل گروپ، درخواستی گروپ اور ان سب کے علاوہ عوامی تحریک پروفیسر ڈاکٹر علامہ طاہر القادری والی ـــ اہلِ حدیث کا خاموش گروپ، اہل حدیث کا متکلم گروپ

سبھی اپنی اپنی جگہ اسلامی جماعتیں ہیں۔

سیکولر جماعتیں، اے این پی، پی این پی، پی ڈی پی، بی وی پی سبھی جمہوریت کی دعویدار ہیں۔

کوئی پوچھنے والا نہیں کہ مشاجرت کا یہ سفر کہاں ختم ہوگا، جو اس وقت حال ہے اس سے بڑھے تو بزعمِ خود ہر راہنما اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد کھڑی کر کے اپنی ہی پارٹی کا سربراہ بھی ہوگا اور تنہا ممبر بھی اور ہم سنیں گے کہ نواز لیگ ہے، شہباز لیگ ہے، شجاعت لیگ ہے، دستگیر لیگ ہے، رشید لیگ ہے، مجید لیگ ہے، جمالی لیگ ہے۔

کون ان سب کو سمجھائے کہ یہ تشتت و افتراق، یہ انتشار ہمارے حق میں نہیں، یہ تو ہمارے دشمن کا خواب ہے، وہ ہم میں یہی نفاق، انتشار اور ٹوٹ پھوٹ چاہتا ہے۔

ہمارا یہ رویہ

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں میری ہے بات انکی
انہی کی محفل سجا رہا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی

والی ہے۔ اسی مشاجرت کے نتیجے میں آدم کو جنت سے نکالا گیا تھا، یہی باہمی دشمنیاں، انتشار و افتراق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب کہا ہے ـــــ اور دلوں میں مہر و محبت کی فصل کی آبیاری، دلوں کو جوڑنے، قلوب میں مودت کو اپنا انعام قرار دیتا ہے۔ سوچئے اپنے رویّے سے ہم اللہ کے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں یا انعام کے حق دار بن رہے ہیں؟

ہم ساری ان جماعتوں کو جو اسلام کا نام لے کر اپنی سیاست کی دکان چمکا رہی ہیں، پوچھتے ہیں کہ وہ اسلام میں ان علیحدہ علیحدہ جماعتوں کا جواز فراہم کر سکتے ہیں؟ یہ امت تو بذاتِ خود ایک جماعت ہے، اس جماعت کے اندر جماعت سازی چہ معنی دارد ـــــ یادش بخیر جماعت اسلامی کے امیر بھی کبھی یہی بات کہتے تھے، لکھتے تھے۔ اب وہ خود ایک جماعت بنے بیٹھے ہیں اور اس پہ نازاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تو کہا تھا کہ اے انسانو! ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کچھ مومن ہو گئے اور کچھ نے کفر اختیار کر لیا۔ امتیں دو ہی ہیں، گروہ دو ہی ہیں، مومنین اور کافر ـــــ یہی دو قومی نظریہ ہے جو پاکستان کی بنیاد کا پتھر ہے۔

اب جب سارے مومن ایک جماعت ٹھہرے تو ان کا فریضہ بھی ایک ہی ٹھہرا یعنی اس نظام کے لئے ہمہ وقت تمام تر توانائیوں کے ساتھ کوشاں رہنا جو خالقِ کائنات نے مومنین کا فریضہ ٹھہرایا ہے۔

اس نظام کے قائم کرنے والے ایک ہی جماعت ہوتے ہیں، ان کا مرکز ایک ہوتا ہے، جس کی ہدایات کے وہ پابند ہوتے ہیں۔ آج اگرچہ یہ امت قوموں میں بٹی ہوئی ہے، بایں ہمہ اگر ان کے سامنے ایک منزل ہو تو اس تک پہنچنے کے لئے وہ آپس میں صلاح مشورے سے ایسے طریق کار وضع کر سکتے ہیں کہ وہ مختلف راہوں سے ہوتے ہوئے ایک ہی منزل تک پہنچنے والے قافلے ثابت ہوں اور منزل کے قریب پہنچ کر ایک دوسرے کو دیکھ کر وہ محسوس کریں کہ وہ سب تو بھٹکے ہوئے

تھے جو سوئے منزل رواں ہونے کی بجائے اِدھر اُدھر بھٹک رہے تھے، ان کا صحیح مقام و منزل تو ایک ہی ہے، وہ دنیا میں جہاں بھی ہوں ایک ہی جسم کے حصے اور ایک ہی قافلے کے بچھڑے ہوئے افراد ہیں۔

ہم ان تمام مذہبی جماعتوں کے کرتا دھرتا افراد سے اپیل کرتے ہیں (اور ہماری یہ اپیل ایک چیلنج بھی ہے) کہ وہ سب مل بیٹھیں، اسلام، اسلامی نظام، نظامِ مصطفیٰؐ کے متعلق سنجیدگی سے غور و فکر کریں، آپس کے اختلافات دور کر کے ایک متفقہ منشور پر جمع ہوں اور قوم کو بتائیں کہ ان کے خیال کے مطابق وہ تعلیم، صحت، معیشت، صنعت، رہائش اور تمام ایسے دوسرے مسائل پر جو شہریوں کو درپیش ہوتے ہیں ان کے بارے میں، ان مسائل کو حل کرنے کے بارے میں ان کا پروگرام کیا ہوگا اور پھر سب اپنی جماعتوں کو توڑ کر اس پروگرام کو لے کر متفقہ طور پر قوم سے مخاطب ہوں ——

اگر کوئی اور جماعت پیپلز پارٹی یا کوئی اور اس منشور کو چیلنج کرے تو اس کے لئے جواز پیش کرے، ممکن ہے اس طرح کے افہام و تفہیم سے ساری امت میں ایک متفق علیہ نقطۂ نظر پروان چڑھے، متحارب پارٹیاں الیکشن نہ لڑیں، سب مل کر نمائندے چنیں جو اس منشور کے مطابق ملک و قوم کے لئے قوانین مرتب کریں اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل کر کے دکھائیں جو ایک مثالی معاشرہ ہو اور اس طرح قوموں کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے کے قابل ہو جائیں —— یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ پاکستان ایک جغرافیائی حدود میں گھرے ہوئے ملک ہی کا نہیں، قومیت کے ایک نظریے کا نام بھی ہے۔

اگر یہ لوگ جو خود کو علماء دین کہتے اور کہلواتے ہیں ایسا نہیں کر سکتے تو ہم سمجھیں گے کہ انہیں اسلام سے نہیں اپنی گروہ بندیوں سے کام ہے، مسلمانانِ عالم کا مستقبل نہیں محدود دائروں میں اپنی اپنی چودھراہٹ عزیز ہے —— آخر تو وہ اسی اسلام کے نام لیوا ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ کی وساطت سے انسانوں کو دیا جسے نبی صلعم نے جماعت صحابہؓ کی تائید اور کوششوں سے نافذ فرمایا، اس وقت ماننے والے سبھی ایک تھے، کفار کے مقابلے میں ایک جمعیت —— ان میں مختلف جماعتیں نہ تھیں، کوئی الگ الگ مکاتبِ فکر نہ تھے، ایک مرکزِ ملت تھا، ایک منشور تھا جس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے ناطے لوگ اپنے آپ کو مسلم کہتے اور کہلواتے تھے۔

کسی ایک گروہ کا دوسرے گروہوں کے علی الرغم صرف اپنے تصور یا پروگرام کو اسلامی کہہ کر پروجیکٹ کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ یوں تو پیپلز پارٹی والے بھی کہتے ہیں۔ اسلام ہمارا دین ہے اور دین میں سیاست، معیشت، معاشرت سبھی آجاتے ہیں۔

جماعت اسلامی کے نئے امیر (موجودہ امیر) نے پچھلے دنوں اپنے ایک بیان (انتخابی تقریر) میں لوگوں سے کہا ہے کہ وہ دنیاوی نظام آزما چکے، اب خدائی نظام آزمائیں، جماعت اسلامی کے مخصوص پس منظر میں یہ دل خوش کن نعرہ خطرناک مضمرات کا حامل بھی ہے۔

اوّل تو اس کا امکان ہی کم نظر آتا ہے کہ جماعت اسلامی (یا اسلامک فرنٹ) اس پوزیشن میں ہو کہ زمامِ کار اس کے

ہاتھ میں آئے، بالفرض وہ اس پوزیشن میں آجائے کہ متحارب گروہوں میں بیلنس آف پاور اس کے ہاتھ میں آجائے اور وہ اس کے زور پہ اپنی بات منوا سکے تو کیا بے حد و نہایت زمین و جائیداد، کوٹھیاں، کارخانے اور دیگر شخصی ملکیت کے تقدس کی معتقد لیڈر شپ بے زمین ہاریوں، کاشت کاروں، محنت کشوں، مزدوروں کے دکھوں کا مداوا کر سکے گی، ان کے مسائل کا حل ڈھونڈ سکے گی، کیا ان کے مطمحِ نظر کو دوسری مذہبی اور غیر مذہبی سیاسی جماعتیں اسلامی تسلیم کر چکی ہیں۔

مسائل برسرِ زمین حقیقت ہیں، نہ تقدیر کا تقاضا کہہ کر ان سے روگردانی کی جا سکتی ہے اور نہ ہی تشدد کے زور پر آج کی دنیا میں تا دیر کسی کو دبایا جا سکتا ہے، جب معاشی اونچ نیچ، استحصال سلب و نہب کے نتیجے میں بے چینی اور بے اطمینانی ہوگی تو دنیا کو یہ کہنے کا موقع مل سکے گا کہ لو خدائی نظام بھی، نعوذ باللہ، کامیاب نہیں ہو سکا، عوام برسر اقتدار صالحین کے نورانی چہرے دیکھ کر تو خاموش نہیں رہ سکتے، عوام کو کچھ دیر کے لئے دبا بھی دیا جائے تو دنیا بھر کی آواز کو کون دبا سکتا ہے، ہماری ان سے درخواست ہے۔ اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت، اتنے بلند بانگ دعاوی نہ ہی کریں تو بہتر ہے اپنے منشور کو جماعت اسلامی کا یا اسلامک فرنٹ کا منشور ہی کہیں تو بہتر ہو، اسلام پر اجارہ داری کے اور بھی بڑے دعویدار ہیں، اسلام کو متنازع نہ بنائیں اسی میں عافیت ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

ایمان بلا عمل

قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں بھی اپنے اندر عجیب سامانِ موعظت رکھتی ہیں۔ ان کے بڑھنے اور ابھرنے کے زمانہ کو دیکھیئے۔ نصب العین کی صداقت پر یقینِ محکم (ایمان) اور اس کے حصول کی خاطر تگ و تازِ مسلسل (عمل)، زندگی کی ساری کہانی دو لفظوں میں سمٹ کر آجاتی ہے۔ دلوں میں ولولے، خون میں حرارت، آنکھوں میں چمک، سارا ماحول زندگی سے بھرپور، خاک کے ایک ایک ذرّے میں نویدِ حیات درخشندہ، مصائب میں مسرت، مشکلات میں راحت، موت میں حیات کے سامان خوابیدہ! فتح و ظفرمندی پاؤں چومتی، سعادت و کامرانی رکاب تھامتی۔ اللہ کی نصرت کے فرشتے جلو میں، منزل کی تابناکی شمعِ راہ۔ دل، یقین کی دولت سے معمور، قدم، لذّتِ جادہ پیمائی سے محوِ خرام۔ غرضیکہ تمام عمر دریا کی طرح ایک مسلسل روانی، غیر منقطع جدّوجہد، یعنی ایمان و عمل کی زندہ تفسیر۔ یہ تھی مسلمانوں کے دورِ عروج کی ابتداء۔

نبی اکرمؐ سے دریافت کیا گیا کہ مسلمان کی زندگی کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ جب جہاد ہو رہا ہو تو اس میں شریک ہو اور جب نہ ہو رہا ہو تو اس کی تیاری میں مصروف ہو۔ سارا فلسفۂ حیات ایک جملہ میں مرکوز۔ یہ سپاہیانہ دور، سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (۳۵/۳۲) کا تھا۔ یعنی حسنِ عمل میں آگے بڑھنے کا دور۔ اس کے بعد ایک درمیانی دور۔

مسلمانوں کی تاریخ

اس کے بعد ایک درمیانی دور (مقتصدین کا) آیا۔ جو کچھ بزرگوں سے ترکہ میں ملا۔ اس پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔ مجاہدانہ اعمالِ حیات کی طوفان انگیزیاں، درباری تکلفات کی بزم خیزیوں میں بدل گئیں۔ دینِ خداوندی کو تمام انسانی ضوابطِ زندگی (ادیانِ عالم) پر عملاً غالب دیکھنے کی بجائے نظری مباحث اور منطقیانہ دلائل سے اس کی فوقیت و برتری ثابت کرنے ہی کو مقصدِ حیات سمجھ لیا۔ قوانینِ خداوندی جن کی تفسیر اعمالِ زندگی سے ہوتی تھی، حروف و نقوش کے ہیکروں میں سجا کر رکھ دیئے گئے۔ رفتہ رفتہ قوائے عملیہ مفلوج ہو گئے۔ ہمتیں پست ہو گئیں، ولولے سرد پڑ گئے۔ بایں ہمہ، اس دور میں بھی کہیں کہیں برستے ہوئے بادلوں میں بجلی کی چمک، اور جلے ہوئے نیستاں میں تبسّم شرار نظر آتا رہا۔ اس کے بعد تیسرا دور (ظالمین کا) آیا

دورِ عمل پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ باقی رہا **ایمان**، سو اس کے متعلق انہیں اسلاف سے کتابوں کے ذخائر ملے۔ جو نظری مسائل کے پیچ در پیچ مباحث سے بھری پڑی تھیں، اور یہ مسائل بھی یونان کے فلسفے اور عجم کے تصورات سے مستعار لئے گئے تھے۔ اب ان کے نزدیک ایمان، چند الفاظ کو ایک خاص طریق سے دہرا لینے کا نام رہ گیا۔ اور اعمال چند رسوم کی میکانکی انداز سے ادائیگی۔ حالانکہ ایمان سے مفہوم تھا اللہ تعالےٰ کے متعین فرمودہ نصب العین کی صداقت پر غیر متزلزل یقین اور اعمال سے مقصد اس نصب العین کے حصول کے لئے جدّوجہد۔ لیکن اس آخری دور میں سارا دین سمٹ سمٹا کر چند الفاظ کی ادائیگی کا نام رہ گیا۔ اور چونکہ نظامِ خداوندی میں نجات و سعادت ایمان سے مشروط تھی۔ اس لئے سمجھ لیا گیا کہ جو شخص ایک خاص انداز سے چند خاص الفاظ کو دہرا دے گا۔ اس کی کامرانیوں اور شادمانیوں کا اللہ ذمہ دار ہو جائے گا کیونکہ ایمان کے صدقہ میں سعادت و نصرت کا عطا ہونا فرمودۂ خداوندی ہے۔ اس کے بعد یہ بحثیں چھڑیں کہ کیا اعمال کے بغیر خالی ایمان سے بھی نجات ہو سکتی ہے یا نہیں؟ حالانکہ اگر ایمان اور اعمال کا قرآنی مفہوم سامنے ہو تو اس بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ ایمان وہ جذبۂ صادقہ ہے جو اعمال کا محرک ہوتا ہے۔ یہ وہ بیج ہے جس سے شجرِ حیات، شاخِ طوبیٰ کی طرح بڑھتا، پھولتا اور پھلتا ہے۔ اس لئے جس بیج سے درخت پیدا نہیں ہوتا وہ بیج ناقص ہے۔

مردہ آں ایمان کہ ناید در عمل

ایمان و عمل

قرآن کی رُو سے جس طرح وہ اعمالِ زندگی جن کی بنیادیں **ایمان** پر نہیں ہوتیں ایسی بجلیاں بن جاتی ہیں جو انسانیت کے امن و سلامتی کے خرمنوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیتی ہیں۔ اس طرح وہ ایمان جو خالی الفاظ کا مجموعہ سمجھ لیا جائے اور جس کی تصدیق اعمالِ حیات نہ کریں۔ برف کا ایسا تودہ بن جاتا ہے جو رگوں میں دوڑنے والے خونِ گرم کے ہر قطرہ کو منجمد کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس لئے فلاح و سعادت اس قسم کے ایمان سے کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ آج بدبختی سے مسلمانوں میں ایک طرف ایسا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے جس نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ اصل مقصد "عمل" ہے ایمان کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خیال ایسی کھلی ہوئی گمراہی پر مبنی ہے کہ اس کی تغلیط اور تکذیب کے لئے کسی زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں۔ لیکن دوسری طرف صدیوں سے یہ عقیدہ عام مسلمانوں کے رگ و پے میں سرائت کر چکا ہے کہ تنہا ایمان (یعنی چند الفاظ کا دہرا دینا) نجات کے لئے کافی ہے۔ انکے نزدیک من قال لا الٰہ الا اللہ فدخل الجنۃ کا مفہوم ہی یہ ہے کہ جس نے ان الفاظ کو زبان سے دہرا دیا۔ جنّت کا وارث بن گیا۔ قریب قریب تمام مسلمان کچھ اسی قسم کی خوش فہمی میں مگن ہیں اور نہیں سوچتے کہ اس غلط عقیدہ نے انہیں کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ آج مسلمانوں پر جس قدر غربت و افلاس طاری

ہے۔ یہ قوم محتاجی اور بے کسی، ذلت اور رسوائیوں کے جن عمیق گڑھوں میں گر چکی ہے نکبت وافلاس کی جو ہولناک گھٹائیں ان پر چھائی جا رہی ہیں۔ ہلاکت و بربادی کے جو بے پناہ سیلاب ان کی طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ ذلت ومسکنت کی جو شرربار بجلیاں ان کے خرمن حمیت وغیرت اور عزت وناموس کو جلائے جا رہی ہیں۔ اگر بہ نگاہِ تعمق دیکھا جائے تو ان کا ذمہ دار یہی غلط عقیدہ ہے جو ان کی جڑوں کو گھن کی طرح کھوکھلا کر گیا ہے اور جس نے انہیں کہیں کا نہیں رہنے دیا۔ بنی اسرائیل کی طرح انکا بھی ایمان ہے کہ ہم خدا کے چہیتے بیٹے ہیں۔ یہ بھی ان کی طرح یہی سمجھتے ہیں کہ ہم بہر حال جنت میں جائیں گے۔ خواہ ہم کچھ ہی کیوں نہ کریں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ قوم بھی خدا کی اس مغضوب و معتوب قوم کی طرح ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ کے عذاب الیم میں گرفتار ہے۔ لیکن نہیں سمجھتی۔ عاد وثمود کی

مسلمان کی حالت

طرح بتدریج تباہیوں اور بربادیوں کے جہنم کی طرف کھنچی چلی جا رہی ہے لیکن نہیں محسوس کرتی۔ قومِ لوط اور اصحاب ایکہ کی طرح ان کی شوکت وعظمت کے تختے الٹ چکے ہیں۔ ان کی تہذیب وتمدن کی فلک بوس عمارتیں کھنڈرات بن چکی ہیں۔ جو ہر صاحبِ بصیرت کے لئے عبرت وموعظت کی ہزار داستانیں اپنے اندر رکھتے ہیں لیکن یہ فریب خوردہ قوم دِل رکھتی ہے اور اس سے سمجھنے کا کام نہیں لیتی۔ آنکھیں رکھتی ہے اور دیکھتی نہیں، کان رکھتی ہے مگر سنتی نہیں۔ زمانے کے تھپیڑے جھنجوڑتے ہیں، لیکن یہ انہیں خواب آور لوریاں سمجھ کر اور گہری نیند میں چلی جا رہی ہے۔ دنیا علم وعمل میں ترقی کرتے کرتے آسمانوں کو چھو آنے کی ٹھانے بیٹھی ہے[1]۔ لیکن یہ اوّل تو ان کی طرف دیکھتے ہی نہیں اور اگر کبھی کبھار چشمِ نیم باز سے دیکھتے ہیں تو ایک حقارت آمیز تبسم سے اتنا کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہاں! اس چند روزہ متاعِ حیات سے فائدہ اٹھا لو۔ اس کے بعد دنیا میں بھی ہمیں غالب رہنے والے ہیں اور آخرت تو بالکل ہے ہی ہماری۔ پھر قیامت یہ ہے کہ یہ عقیدہ جہلاء تک ہی محدود نہیں، بلکہ ان کے واعظ اور عالم، روز بروز اس عقیدہ کو پختہ تر کرتے چلے جا رہے ہیں۔ حتّٰی کہ ایک جید "مولوی" صاحب اکثر وعظ میں فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانو! کون کہتا ہے کہ گناہ نہ کرو۔ خوب کرو جی بھر کر کرو لیکن ایک درود شریف اوّل اور ایک درود شریف آخر پڑھ لو مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ۔ اللہ کی رحمت کے یہ دو سمندر موجیں مارتے ہوئے انکو بہا کر لے جائیں گے۔ حتّٰی کہ ابوالکلام آزاد جیسا شخص، اپنی تفسیر میں یہ حدیث نقل کرتا ہے:۔

---

[1] اب تو وہ سچ مچ "آسمانوں" کو چھو آئے ہیں۔

والذی نفسی بیدہ لو لم تذنبوا لذھب اللہ بکم و
الجاء بقوم یذنبون فیستغفرون (مسلم عن ابی ہریرہ)

"(رسول اللہ نے فرمایا) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم ایسے ہو جاؤ کہ گناہ تم سے سرزد ہی نہ ہو، تو خدا تمہیں زمین سے ہٹا دے اور تمہاری جگہ ایک دوسرا گروہ پیدا کر دے جس کا شیوہ یہ ہو کہ گناہوں میں مبتلا ہو اور پھر خدا سے بخشش و مغفرت کی طلبگاری کرے)

(ترجمان القرآن جلد اوّل ص ۱۹ مطبوعہ زمزم کمپنی)

یہ اس قوم کے احبار و رہبان کے مواعظِ حسنہ ہیں جن کے خدا کا فیصلہ ہے کہ:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝ (۹۹: ۸)

"جو شخص رائی کے ذرّے کے برابر نیکی کرے گا، وہ بھی اس کے سامنے آجائے گی اور جو رائی کے ذرّے کے برابر برائی کرے گا وہ بھی اس کے سامنے آجائے گی۔"

ایمان بلا عمل

قرآن کریم کے کسی صفحہ پر نگاہ ڈالئے، نجات و سعادت اور فلاح و بہبود کے لئے جہاں اٰمَنُوْا آیا ہے اس کے ساتھ ہی عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بھی موجود ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر صرف دوسرے ٹکڑے کو ماننے والے یُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَیَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (قرآن کریم کے ایک حصہ پر ایمان لانے اور دوسرے پر ایمان نہ لانے) کے جرم کے مرتکب قرار دیئے جاتے ہیں تو دوسرے ٹکڑے کو چھوڑ کر صرف پہلے ٹکڑے پر ایمان لانے والے اس جرم سے کس طرح بچ سکتے ہیں؟ حالانکہ قرآن کریم کا صاف صاف فیصلہ موجود ہے:-

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ (۲۹: ۲)

کیا لوگ یہ گمان کئے بیٹھے ہیں کہ وہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لائے، چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان پر کوئی آزمائش نہیں ڈالی جائے گی؟

دوسری جگہ ہے :-

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جٰھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (۳/۱۴۲)

"کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ ابھی تک اس بات کو ابھار کر سامنے نہیں لایا کہ تم میں سے کون جہاد کرتا ہے اور ثابت قدم ہے۔"

کیا آپ نے سورۃ التوبہ میں نہیں دیکھا کہ جب منافق اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے تھے تو ان کے ایمان کی شناخت کے لئے کون سا معیار مقرر کیا گیا تھا؟ یہی کہ

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط (۹/۱۰۵)

— ان سے کہہ دو کہ ہاں، کچھ کر کے دکھاؤ تاکہ تمہارے اعمال کو خدا اس کا رسول اور مومنین دیکھ لیں

اس سے بھی آگے بڑھیئے۔ سورہ انعام میں ہے کہ جب خدا کا عذاب سامنے آجائے گا تو اس وقت نہ تو اس شخص کو نفع پہنچے گا جو عذاب کو دیکھ کر ایمان لائے گا اور نہ ہی اس شخص کو جس نے ایمان کے ساتھ نیک عمل نہ کیا ہوگا اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا (۶:۱۵۹) سمجھ میں نہیں آتا کہ ان سے زیادہ اور کون سے واضح الفاظ ہو سکتے ہیں، جن میں اس حقیقت کو بے نقاب کیا جاتا ہے۔ یاد رکھیں! جس ایمان کے ساتھ اعمال شامل نہ ہونگے وہ ایمان کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ آپ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے محبوب ہیں، اس واسطے کہ ہم ایمان و اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن جس کے تم محبوب بنتے ہو، وہ تو اعلانیہ کہہ رہا ہے کہ یہ غلط ہے۔ وہ ایک مسلم کا اس کے اعمال کی وجہ سے "دوست" ہے نہ کہ اس کے زبانی دعووں کی بناء پر۔

وَهُوَ وَلِیُّهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۶/۱۲۸)

اللہ ان کا دوست ہے، بوجہ ان کے اعمال کے

کیا آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جہاں بُرے اعمال کی سزائیں تجویز کی ہیں وہاں مسلم اور غیر مسلم، مؤمن و کافر میں کوئی تمیز، کوئی تفریق نہیں کی۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ

لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ط مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ (۴/۱۲۳)

نہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق ہوگا نہ اہلِ کتاب کی۔ جو بھی بُرا کام کرے گا اس کی سزا پائے گا۔

کسے باشد، جو بھی برائی کرے گا اس کے جرم اسے گھیر لیں گے، وہ جہنّم میں جائیگا اور وہیں رہے گا (۲/۸۱) مثلاً حکم دیا جاتا ہے کہ ایمان والو سُود نہ کھانا۔ اللہ سے ڈرتے رہنا تاکہ تم تقویٰ شعار بن سکو۔ لیکن اگر تم اس حکم کی خلاف ورزی کروگے تو اس آگ سے ڈرو جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ کے ٹکڑے پر نگاہ ڈالئے۔ خطاب یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان سود خور، ایمان کا مدعی ہے، لیکن جب اسے اس کے جرم کی سزا میں جہنم رسید کیا جاتا ہے تو وہ جہنّم کوئی الگ نہیں، وہی ہے جو کافرین کے لئے تیار کی گئی ہے۔ فرمائیے اس شخص کے

دعویٔ ایمان نے اس میں کیا امتیاز پیدا کر دیا ؟ اس سے بھی آگے بڑھئے ! بدر کا میدان ہے۔ مسلمانوں کی کل کائنات ۳۱۳ نفوس، کچھ مہاجرین، کچھ انصار۔ گھر بار، بیوی بچے، عزیز و اقارب، مال و دولت، سب کچھ چھوڑ کر ہتھیلیوں پر سر لئے خدا کے راستے میں جان جیسی گراں بہا چیز قربان کر دینے کے لئے تیار ہیں۔ یہ وہ ایمان والے ہیں جنہیں السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کہا گیا ہے۔ وہ ہیں جن کے متعلق رسولؐ خدا نے ابھی ابھی دعا میں فرمایا ہے کہ اے اللہ یہ مٹھی بھر جماعت، تیری نام لیوا، تیرے نام کی حفاظت کے لئے جانیں قربان کرنے کے لئے، میدان میں آئی ہے۔ اگر یہ مٹ گئے تو دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ فرمائیے ! ان کے ایمان میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

بدر کا میدان

لیکن اسی مقام پر ان کا خدا ان سے کہتا ہے کہ یاد رکھو جو آج کے دن میدانِ جنگ سے منہ موڑے گا سوائے اس کے کہ وہ لڑائی کیلئے پینترا بدلے یا اپنی جماعت سے ملنے کی خاطر پہلو بدل لے، تو وہ خدا کے غضب کا مستوجب ہو جائے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور یہ بُری جگہ ہے رہنے کی (۸:۱۶) زبانی اقرار پر جنت میں جانے کے متمنی ذرا آنکھیں کھول کر اس ارشادِ مقدسہ کو دیکھیں ! جہاد تو عمل کی آخری منزل ہے۔ جو لوگ ایمان لائے تھے لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی، اُن کے متعلق سُنئے کیا فیصلہ ہے

"اور جو لوگ ایمان لائے۔ لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی، تو جب تک یہ لوگ ہجرت نہ کر آئیں، ان کے ساتھ (مسلمانوں کا) دوستانہ تعلق نہیں ہوگا" (۸ : ۷۲)

دیکھئے ان لوگوں کے ایمان کی شہادت تو خدا خود دے رہا ہے کیونکہ انہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر پکارا ہے۔ لیکن یہ صرف ایمان کے دعویدار ہیں۔ اصلی مومن، سچے ایماندار، مُؤْمِنُوْنَ حَقًّا تو صرف وہ ہیں

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (۸/۷۴)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور انہوں نے پناہ دی اور مدد کی یہ لوگ اصلی مومن ہیں۔ ان ہی کے لئے مغفرت اور ان ہی کے لئے عزت کا رزق ہے"

جو لوگ میدان میں آنے سے ہچکچاتے تھے، اللہ کا ارشاد ہے کہ ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے (۹/۸۷) ان کے برعکس:

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ

وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۹ : ۸۸-۸۹)

لیکن رسول اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے اور جہاد کیا، اپنے اموال اور جانوں سے، یہی لوگ ہیں، جن کے لئے (سب) خوبیاں ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ ان کے لئے اللہ نے ایسی جنّات تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ان میں رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

دیکھئے سب خوبیاں، کامیابی و کامرانی کی تمام نعمتیں دنیا کی سُرخ روئی اور عاقبت کے انعام سب انہی کے لئے ہیں جو ایمان کے ساتھ عمل میں پورے اترتے ہیں۔

یہی نہیں کہ آخرت کی فلاح و بہبودی عمل کے ساتھ متعلق ہو، اس دنیا کی عزت و وقار کی زندگی، خوشحالی و خوش بختی کی زندگی، سرفرازی و سربلندی کی زندگی، یعنی وہ زندگی جو فی الحقیقت ایک مومن کی زندگی ہونی چاہیئے۔ وہ بھی عمل ہی کے ساتھ مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکومت اس لیئے دی تھی کہ ان کے کام دیکھے نہ زبانی دعویٰ۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

پھر ہم نے تمہیں دنیا میں حکومت دی۔ پہلی قوموں کے بعد، تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو (۱۰/۱۴)

اگر تم عمل کی دنیا میں پورے نہیں اترو گے تو تمہارے ایمان کے الفاظ کوئی قیمت نہیں رکھیں گے۔ وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا۔ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ۭ (۹/۳۹) اس لئے کہ جہاں اس کا ارشاد ہے کہ :-

وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۷ : ۴۳)

ان سے پکار کر کہہ دیا جائے کہ یہ جنت ہے جس کے تم اعمال کے باعث وارث قرار دیئے جاتے ہو۔

وہیں اس دنیا کی جنت کے متعلق بھی اس کا فیصلہ ہے کہ :-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ۝ (۲۴ : ۵۵)

اللہ نے وعدہ کیا کہ جو تم میں سے ایمان لائیں اور عمل صالح کریں تو اللہ ان کو زمین کی بادشاہت عطا فرمائے گا۔

پس اگر تم چاہتے ہو کہ اس دنیا میں تمہاری ہستی قائم رہے تو ایمان محکم کے ساتھ عملِ پیہم بھی پیدا کرو کہ یہی سچے مومنوں کی نشانی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (۴۹/۱۵)

یقیناً مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر اُن کے ایمان میں ذرا جنبش نہ ہوئی اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے اموال و نفوس سے جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔

ورنہ یاد رکھو کہ خدا کے فیصلے، فطرت کی تعزیریں، اٹل ہیں، غیر جانبدار ہیں۔ ہر چیز کی بقا عمل سے ہے انسان کا تمام تر سرمایہ عمل ہے۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳/۳۹)۔ یہ خدا کا اٹل فیصلہ ہے۔ نتائج عمل سے پیدا ہوتے ہیں اور ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

وہ قول، وہ زبانی دعویٰ، وہ اقرار، واصطلاحی ایمان، جس کی تائید اعمال سے نہیں ہوتی جس کی تصدیق آپ کے قلوب اور جوارح نہیں کرتے۔ قرآن کی میزان میں ایک پرکاہ کے برابر بھی وزن نہیں رکھتا نہیں بلکہ ایسا زبانی دعویٰ ایک جرمِ عظیم ہے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۶۱/۳)

۔۔۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت بُری بات ہے کہ تم زبان سے وہ کچھ کہو جو کر کے نہ دکھاؤ

اور اگر خدا کے ان کھلے کھلے فیصلوں کے بعد بھی آپ اس زعمِ باطل میں رہیں کہ چونکہ آپ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو گئے ہیں۔ صبح سویرے مُنہ پر ہاتھ پھیرتے وقت زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ بھی نکل جاتا ہے۔ اس لئے ضرور آپ جنت کے وارث بن جاتے ہیں اور ساری دنیا پر غلبہ آپ ہی کا ہو جائے گا۔ اور محض اس لئے ہو جائیگا کہ آپ مسلمان کہلاتے ہیں۔ تو یاد رکھئے، یہ سراسر دھوکا ہے، فریب ہے۔ اور فریب خدا کے ساتھ نہیں، دوسروں کے ساتھ نہیں بلکہ خود اپنے ساتھ ہے وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ (۲/۹)۔ یاد رکھئے! آج دنیا میں جہد للبقا (زندہ رہنے کی کشمکش) بڑی سخت ہو گئی ہے۔ قوموں میں باہمی منافست ہے۔ مقابلہ کی دوڑ ہے۔ جو قوم، جو ملک، جو شخص اس دوڑ میں پاؤں سے کانٹا نکالنے کے لئے ٹھہر گیا، ہلاک ہو گیا۔ پیچھے سے آنے والی قومیں اسے بے رحمی سے کچلتی

گے نکل جائیں گی۔یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے فرمایا ہے قَاعِدِیْنَ (بیٹھنے والے) اور مجاہدین
ہونے والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ کیا یہ قانون آپ پر نافذ نہیں ہوگا۔کیا ارباب قضاء و قدر
آپ کو اس لئے چھوڑ دیں گے کہ آپ خاص قسم کے نام رکھتے ہیں یا یہ عقیدہ دل میں جمائے بیٹھے
ہیں کہ ہمارا زبانی اقرار ہماری کامیابیوں کے لئے کافی ہے ؟ یاد رکھئے ! فطرت کسی کی سوتیلی ماں نہیں
اس نے پہلی قوموں کو تباہ کر دیا تو اس لئے کہ ان میں قوتِ عمل مفقود ہو چکی تھی ، نہ اس لئے کہ ان
سے اسے کوئی ضد تھی اور اب اگر آپ بھی وہی کچھ کریں گے جو ان قوموں نے کیا تھا تو وہ آپ کو اسلئے
نہیں بخش دے گی کہ آپ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ ایسا سمجھنا خدا کے قانون کے متعلق بڑا غلط
اندازہ لگانا ہے۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ -

ہماری سیاست

سیاست ہماری فقط خاک بازی
کہ مردانِ بے کار کی کارسازی
بہر گام برپا ہیں جھگڑے جھمیلے
لگے جابجا ہیں سیاست کے میلے
کبھی ملک توڑیں، بنامِ سیاست
نئے جوڑ جوڑیں بنامِ سیاست
دکھلاتے ہیں کیا کیا تماشے مداری
یہ بچے جمورے ہوس کے پجاری
فقط ان کو مطلوب کرسی کا جھولا
فقط اس کی خاطر ہے دم ان کا پھولا
بنامِ سیاست محبِ وطن ہیں
حقیقت میں تخریب کارِ چمن ہیں
اصول ان کا سب سے بڑا بے اصولی
سیاست مفادات کی ہے وصولی
مریں یا جئیں ہم، نہیں ان کا رونا
کہ لاشیں ہماری ہیں ان کا کھلونا
وطن کا بدن نوچ کر کھا رہے ہیں
کبھی آ رہے ہیں کبھی جا رہے ہیں
انہی کی فتوحات کا ہے کرشمہ
بنامِ سیاست کئی مارشل لاء
کہ سینہ ہمارا تو چھلنی ہوا ہے
مگر شوق ان کا بہر دم سوا ہے
خدا ان کو بخشے، خدا ان کو سمجھے
دعا ہے اٹھائے خدا ان کو ہم سے

—— غلام رسول ازہر

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

نیا جال پرانے شکاری

یہ بھی عجیب دن ہیں، ۱۴ اگست، ۶ ستمبر اور پھر ۱۱ ستمبر اوپر تلے آتے ہیں اور یادوں کا ایک نہ ختم ہونے والا کارواں ان کے جلو میں رواں دواں نظر آتا ہے۔

۱۴ اگست کو ایک مردِ راہ داں اس بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے آیا، اس نے اس برصغیر کے مسلمانوں کو انگریز ہی کی نہیں ہندو کی ممکنہ غلامی سے بھی نجات کی راہ دکھائی، اقتصاد کی پستی کی ماری اس مثل بنی اسرائیل قوم کو فراعینِ زمانہ کے چنگل سے چھڑا کر ایک آزاد خطۂ زمین میں لا اتارا کہ اپنے لئے درخشندہ مستقبل تعمیر کر سکے ——

ہماری کوتاہیوں، مقصد سے غفلت اور مفادِ خویش کی ذہنیت نے ہمیں آج تک صحرائے سینا ہی میں سرگرداں رکھا ہے —— ہم آدھا پاکستان کھو چکے، آج تک یہ نہیں سمجھ پائے کہ ہم نے اسے کیوں کھو دیا —— اس باقی ماندہ پاکستان میں جو فضا اس وقت پیدا ہو چکی ہے وہ پاکستان سے محبت کرنے والوں کے لئے تشویش کا باعث ہے، ہمارا بال بال غیر ملکی قرضوں میں جکڑا ہوا ہے، بھارت ہمارے لئے ایک ہمہ وقتی خطرہ ہے، مغرب ہم سے ناراض ہے کہ ہم نام کے ہی سہی مسلمان ہیں اور مغرب کا شیطانِ کبیر آج بھی اپنے چیلوں سے کہہ رہا ہے

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

وہ اس خوف میں مبتلا ہے کہ

ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

امت گو کہ

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

وہ اس خاکستر کی چنگاریوں سے بھی لرزاں ہے، وہ کہہ رہا ہے کہ وہ جانتا ہے۔ اس کے لئے،

مزدکیت فتنۂ فرد انہیں اسلام ہے

یورپ کے صحرائے کفر میں بوسنیا کا ذرا سا نخلستان بھی اس کی آنکھ میں کانٹا بن کر چبھ رہا ہے، وہ لیبیا، ایران، پاکستان سے کیسے پیار کر سکتا ہے۔

اور انہی دنوں ملک میں پھر سے الیکشن کی آمد آمد ہے، پرانے مداری نئے جال لئے پھر میدان میں ہیں۔

اور اس بار پچھلے سارے الیکشنوں سے مختلف صورت حال ہے، انتظامیہ غیر جانبدار ہے، سیدھی سیدھی سیاسی جماعتوں کی آمنے سامنے کی لڑائی نہیں، پچھلی دفعہ کی طرح سیاسی اتحادوں کا بھی آمنا سامنا نہیں، سیٹوں کا لین دین ہو رہا ہے اور اس ضمن میں انگریزی محاورے کے مطابق STRANGE BED FELLOWS والا نظارہ ہے۔

جو قائد اعظمؒ کی مسلم لیگ کے برملا مخالف تھے اور جو قیامِ پاکستان کے بعد بھی سرحد میں ریفرنڈم کا باعث بنے آج مسلم لیگ کے ایک بہت بڑے دھڑے کے ساتھی ہیں جو خود کو قائد اعظمؒ کی لیگ کا وارث قرار دے رہے ہیں ——

انہوں نے لیگ کے منشور سے کب وفاداری کا اعلان کیا ہمیں معلوم نہیں، وہ تو کبھی دو قومی نظریے کے بھی قائل نہیں رہے، شاید اب ہو گئے ہوں کہ لیگ کے اسی دھڑے کے ہمراہیوں میں جمعیت علمائے پاکستان نیازی گروپ کے نیازی صاحب بھی ہیں جو بلاشبہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے حوالے سے قائد اعظمؒ کے سپاہی رہے ہیں۔

دینی جماعتیں جن کے راہنما ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نماز کی صفوں میں تو کھڑے نہیں ہو سکتے اسمبلیوں کی سیٹوں کے شکار کے لئے ہاتھ میں ہاتھ دئے چل رہے ہیں۔

اور جماعت اسلامی ہے کہ سیاسی بازی گری کا مظاہرہ کر رہی ہے، یہ جماعت جس کے بانی قیامِ پاکستان کو درندے کی پیدائش کے مماثل قرار دے چکے ہیں، جو اس ساری جدوجہد کی بحث کو یہ کہہ کر ختم کر چکے کہ یہ "ان سب لوگوں کا مُنہ کالا کر دینے کو کافی ہے جنہوں نے پچھلی ربع صدی میں ہمارے ملک کی سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے ——"

یاد رہے۔ یہ ۴۸ء کی تحریر ہے، ۲۵ سال کی مسلم قیادت میں دوسرا برآوردہ اور درخشاں نام علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ ہی کے آتے ہیں۔

ہاں وہ یہ بھی کہہ چکے کہ "لیگ کے قائد اعظمؒ سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو۔"

اور ان تحریروں کی انہوں نے کبھی تردید نہیں کی، اگرچہ اس کے بالکل برعکس بھی انہوں نے اپنے سیاسی مقاصد کی براری کے لئے لکھا۔ مثلاً نوائے وقت ۱۶ اگست ۶۷ء میں کہ

"قائد اعظم کے متعلق مجھے کبھی یہ شبہ نہیں ہوا کہ وہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے معاملے میں مخلص نہ تھے ——"

جماعت کے موجودہ امیر نئے انداز کی سیاست کا ڈول ڈال رہے ہیں، بہتر ہو وہ وضاحت فرما دیں کہ اپنے بانی امیر کے کن خیالات سے متفق ہیں۔

یاد ش بخیر جماعت الیکشنوں اور ووٹ کی سیاست کی قائل ہوئی تھی تو جو اصحاب ان سے علیحدہ ہوئے تھے انہوں نے اپنے ہاں شائع کیا تھا کہ جماعت انقلابی اسلامی جماعت سے گر کر مسلم قومی جماعت بن کر رہ گئی ہے ـــــ

بہتر ہو وہی اصحاب اب اس پر روشنی ڈالیں کہ اسلامک فرنٹ ہو کر اب جماعت کیا بن رہی ہے ـــ یہ تو سبھی جانتے ہیں، اسلامک فرنٹ اور جماعت

یہ عجب پردہ ہے چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

والا معاملہ ہے۔

بہرحال اے این پی اور جماعت کے پلیٹ فارم سے پاکستان سے محبت کے دعوے خوش آئند ہیں، معلوم ہوتا ہے وہ اپنے پہلے نظریات سے تائب ہو چکے ہیں، ہم امید رکھتے ہیں کہ وہ اس کا برملا اعلان بھی کر دیں گے تاکہ پاکستان کے لئے قربانیاں دینے والوں اور اس سرزمین سے محبت رکھنے والوں کے ووٹ کے حقدار بن سکیں ـــــ

ثریا عندلیب

جناب پرویز علیہ الرحمۃ کی بصیرتِ فرقانی کے

تابندہ نقوش

۱۔ کسی اجنبی سے ملنے پر اگر کوئی السلام علیکم کہتا ہے۔ یعنی میں تمہاری سلامتی کا خواہاں ہوں۔ دوسرا بھی یہی کہتا ہے۔ کیا یہ جنت نہیں؟ دو ملنے والے ایک دوسرے کو اعتماد میں لے رہے ہیں۔ ان کے درمیان رابطہ کی کیفیت یہ ہو گی کہ خود تنگی ترشی میں رہ کر دوسرے کی ضرورت اور آرام کو مقدم سمجھا جائے گا۔

۲۔ انسان کو اختیار و ارادہ کا شرف دیا گیا ہے۔ چوائس ہی تو آزادی کا نام ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ تمہیں جو اختیار دیا گیا ہے وہ تمہاری آزادی ہے۔ لیکن اس آزادی کو اقدارِ خداوندی کی حدود کے اندر رہنا ہو گا۔ ناقابلِ تغیر اقدار کی پابندی کرتے ہوئے آزادی۔ جنت کسے کہتے ہیں؟ جس میں انسان کی چوائس قائم رہے۔ اس کا اختیار و ارادہ باقی رہے۔ اور جہنم کیا ہے جس میں یہ انسانی شرف سلب کر لیا جائے۔

۳۔ جہنم میں چوائس کا سوال ہی نہیں۔ جہنم کا داروغہ مالک کہلاتا ہے۔ جہنم میں جو کچھ ملتا بھی ہے وہ حلق میں اٹک جانے والا ہوتا ہے جسے نہ نگلے بنے نہ اگلے بنے۔ اور پھر کہا جائے گا۔ کھا اسے۔ زبردستی ٹھونسا جائے گا۔

۴۔ غیر قرآنی معاشرہ میں انسان، انسان میں تمیز نہیں کر سکتے۔ انسان کی پہچان قرآنی معاشرہ کی بدولت ہوتی ہے۔ وہ معاشرہ کتنا اطمینان بخش ہو گا۔ ہمیں تو اس جنت کی جھلک بھی نظر نہیں آتی جہاں کسی کو دور سے ہی دیکھ کر پتہ چل جائے کہ یہ دھوکا باز ہے یا شریف النفس؟ جہنم ہوتا ہی دھوکا ہے۔

۵۔ کائناتی قوانین، قوانینِ الٰہیہ ہیں۔ یہ کسی اور کے مقرر کردہ نہیں۔ یہ قوانین ایسے ہیں جو وحی کے ذریعے نہیں دیئے گئے بلکہ انسان اپنے علم و تحقیق سے ان کا انکشاف کرتا ہے اور ان پر پڑے ہوئے پردے اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ قوانینِ خداوندی میں ہم اس کائناتی گوشے سے کیسے الگ ہو سکتے ہیں جو سب سے پہلے ہمارے سامنے آتا ہے۔

۶۔ حسنات فی الدنیا تو یہی ہیں کہ فطرت کی ان قوتوں کو تسخیر کر کے منفعتِ انسانی کے لئے کام میں لایا جائے قرآن کریم انہیں دین قرار دیتا ہے۔ اس حصۂ دین کے ہم کافر ہیں۔ کفر کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ جہنم میں ہیں نا! یہ طبیعی زندگی

کا گوشہ ہے۔ اس حصہ میں کچہریاں نہیں لگی ہوئیں۔ یہاں رشوتیں نہیں چلتیں۔ عدل ہے جس کا صحیح صحیح نتیجہ نکلتا ہے۔

۷۔ انسان کے سارے معاملات اس دنیا کی کشمکش میں ہیں۔ قیامت کے بعد تو جو ہوگا وہاں نظر آئے گا۔ وہاں تو اٹل معاملہ ہوگا، نہ توبہ نہ امکانِ اصلاح۔ یہ سب یہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی تدبیر تمہارے پاس ہو تو کر دیکھو!

۸۔ انسان کی خود فریبی کو بت پرستی بڑی راس آتی ہے کیونکہ بت آگے سے کچھ کہتا نہیں۔

۹۔ انسان کے اندر اتنی قوتیں موجود ہیں کہ وہ سب شیاطین پر غالب آسکتا ہے۔

۱۰۔ حق و باطل قرآن کی بڑی جامع اصطلاحات ہیں۔ حق کے اندر پورے کا پورا دین آجاتا ہے اور باطل کے اندر دنیا کی ساری تخریبی قوتیں آجاتی ہیں۔

۱۱۔ جب کسی قوم کی زندگی میں یہ مرحلہ آئے کہ اسے اپنے مقصد میں تذبذب پیدا ہو جائے تو سمجھ لو کہ اسے شکست ہو گئی۔

۱۲۔ اگر اپنے سامنے کی قیامت اور اپنے سامنے کا جہنم نہ دیکھا جائے تو انسان ساری عمر اضطراب میں رہتا ہے۔

۱۳۔ ہم سب اپنے اپنے دوزخ میں کھڑے ہیں اور دوسروں کے متعلق یہ فتوے جاری کر رہے ہیں کہ یہ بھی جہنمی اور وہ بھی جہنمی۔

۱۴۔ تمام خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ مجھے کون پوچھ سکتا ہے اور تمام حسنات کا سرچشمہ انسان کا یہ یقین کہ جب کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا۔ اس وقت بھی وہ (اللہ) دیکھنے والا ہوتا ہے۔

۱۵۔ قرآن کریم کی اصطلاح "فوز" نے دنیا بھر کے مذاہب کے غلط تصورِ نجات پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا ہے۔ نجات ہوتی ہے ایک حالت اس کے بعد کوئی خرابی کی حالت اور پھر اس کے بعد پہلی حالت پر آجانا جیسا کہ وہ پہلے تھا۔ یہ ہے مذہب اور اس کا منتہیٰ اور مسلمانوں نے نجات کا یہی تصور اپنے دین سے باندھ رکھا ہے۔ فوز ہے ہر منزل سے اگلی بلند منزل میں چلے جانا۔ جو کچھ انسان کا بالآخر بننا مقصود ہے، وہ کچھ بن جانا مفازاً ہے۔

۱۶۔ جنت کی جو چیزیں اس دنیاوی زندگی میں ملیں گی۔ ان کا صحیح استعمال ہی اگلی جنت کا حقدار بنائے گا۔

۱۷۔ رزق اللہ کی طرف سے براہِ راست نہیں ملتا۔ وہ روٹیاں پکا پکا کر نہیں بھیجتا۔ وہ ایک نظامِ ربوبیت قائم کرنے کا حکم دیتا ہے جس میں کوئی انسان اپنے شرف اور اپنے رزق سے محروم نہیں رہتا۔

۱۸۔ توحید صرف زبان سے اللہ کہہ دینے کا نام نہیں۔ وحدتِ الوہیت در حقیقت وحدتِ انسانیت تھی۔ مساواتِ انسانیہ قرآنِ کریم کی بنیادی تعلیم ہے۔ اللہ رب العالمین ہے۔ کسی ایک سوسائٹی یا فرد کا رب نہیں۔ اس لئے بات پوری انسانیت کی مساوات کی ہے۔

۱۹۔ رزق میں طبقاتی تفریق معاشرے میں چھوٹے بڑے، اونچے نیچے طبقات ہونے کی بنیاد بنی۔

۲۰۔ ہر بھوکا اس خدا کو کھا لیتا ہے جس کے متعلق اسے معلوم ہو کہ اس خدا نے اسے بھوکا رکھا ہوا ہے۔

۲۱۔ رزقِ کریم رزقِ حلال کی خصوصیت ہے۔ وہ رزق جس میں انسان کی عزت محفوظ رہے۔

۲۲۔ قرآن کا سارا معاشی نظام 'متاع' کے ایک لفظ میں آگیا ہے۔ معاشی نظام یہ ہے کہ انسانوں کی پرورش ہو، نشوونما ہو۔ فرداً فرداً ہر ایک کو ملتا رہے اور کسی کو جمع کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

تغیر نفس "ایمان"

معلم: عبیدالرحمن آرائیں

سورۃ الرعد کی آیت ہے

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم

اس آیت جلیلہ میں اللہ تعالیٰ نے کسی بھی قوم کے اندر مثبت یا منفی تبدیلی کی طرف جانے کی بنیادی شرط بتا دی ہے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ وہ جس قوم کے افراد ہیں' ان کے اندر کیا تغیر ہو رہا ہے تزکیہ نفس کے لئے بنیادی شرط اعمال صالح ہیں اور ایک ایسا نظام جس کے اندر ہر انسان کے اعمال صالح نتیجہ پیدا کریں جب تک یہ نظام قائم نہ ہو ہر ایک کو اپنے اعمال کو ایک ضابطہ قوانین اور حدود کے تابع رکھنا چاہئے اس کے بغیر نفس کا ارتقا ممکن نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

"کہ تم اپنی مرضی سے تغیر نفس نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اصولوں سے ہی تغیر نفس ہوتا ہے"

ہمارے ہاں عموماً" دیکھا جاتا ہے کہ تزکیہ نفس اور "چلے" کاٹنے کو لازم ملزوم گنا جاتا ہے۔ "چلے" کاٹنے والے سمجھتے ہیں کہ ہمارا تزکیہ ہو رہا ہے۔ اس آیت جلیلہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے قوانین کے مطابق ہی تزکیہ نفس ہوتا ہے اور یہ قوانین قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ قوانین کہیں اور بھی موجود ہیں؟

کیا ان کے ملنے کا کوئی اور بھی ذریعہ ہے؟

کیا یہ سب انسان اپنے مشاہدے اور تجربات سے بھی سیکھ سکتا ہے؟

کیا یہ قوانین کتب سابقہ میں تھے؟

کیا یہ فقہ کے اندر ہیں؟

اس کے لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا "ایمان" کس چیز پر ہے۔ "ایمان" کے صحیح تعین سے ہی معلوم ہو گا کہ آپ کی منزل کیا ہے۔ اللہ کی طرف سے تعین شدہ منزل کی جانب جانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ایمان لانا بہت ضروری ہے۔ ایمان کے علاوہ معاشرے کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لئے چند اور شرائط بھی ہیں۔

مثلاً" تکریم انسانیت' یعنی اس بات پر یقین کہ سب انسان انسان ہونے کی جہت سے واجب تکریم ہیں۔ ان دو بنیادی اصولوں کے بعد مختلف نظام آجاتے ہیں' جن کا قائم کرنا نہایت ضروری ہے لیکن یہ نظام تغیر نفس کے بغیر قائم نہیں ہو سکتے اس میں نظام معاشرت نظام معیشت' سیاسی نظام تعلیم

و تربیت کا نظام وغیرہ آجاتے ہیں۔ ان نظام ہائے حیات میں نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج وغیرہ بھی آجاتے ہیں۔ اور جس طرح ہم اپنی روزمرہ کی زندگی گزارتے ہیں اس کے بارے میں اصول بھی مثلاً نماز "صلوٰۃ" کا تعلق تعلیم و تربیت سے بھی ہے اور سیاسی نظام سے بھی۔ روزہ "صوم" کا تعلق بنیادی طور پر تربیت سے ہے۔ اس طرح حج کا تعلق تعلیم و تربیت سے بھی اور ہمارے سیاسی نظام سے بھی اور ہمارے معاشرتی نظام سے بھی۔ اسی طرح "جہاد" جو کہ مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ دراصل انسان کی زندگی کے تمام اجزا ایک دوسرے سے Related ہیں۔

کوئی جزو ایسا نہیں کہ اس کے بارے میں کہا جا سکے کہ اس کا دوسری کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسانی ذات ایک وحدت ہے اور ذات دراصل ایک "WHOLE Indivisible" ہوتی ہے۔ اس کے حصے نہیں کئے جا سکتے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ (جو ایک مکمل ذات ہے) نے اپنے بارے میں کہا ہے کہ

لم یلد و لم یولد نہ اس سے کوئی Produce ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے Produce ہوا ہے۔ انسانی بچہ جسمانی طور پر تو اپنے ماں باپ پر ہوتا ہے لیکن اس کی ذات یا Personality اس کی اپنی منفرد ہوتی ہے۔ ماں باپ کی ذات بچے کو نہیں ملتی۔ ذات اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔

چونکہ ہر عمل کا اثر انسان کی اپنی ذات پر پڑتا ہے' اس لئے انسانی ذات کی نشوونما معاشرہ کی نشوونما کے لئے ضروری ہو جاتی ہے۔ اسے یوں سمجھیں کہ جب میں کوئی کام کرتا ہوں' وہ اپنے گھر میں ہو' دفتر میں ہو یا اکیلے میں' اس کا اثر میری ذات پر ہوتا ہے۔ جب میں اس اثر کو لئے ہوئے باہر جاتا ہوں تو جو بھی کام کرتا ہوں اس پر میری ذات کا عکس ہوتا ہے۔ اس طرح انسان کی گھریلو اور معاشرتی زندگیاں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور گھر کے دوسرے افراد یا معاشرتی نظام کا اثر ہماری ذات پر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے حصے نہیں کئے جا سکتے۔

اب میں آج کے موضوع کی طرف آتا ہوں یعنی "ایمان" اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پانچ چیزوں پر ایمان لانے کے لئے بار بار تاکید کی ہے اور وہ یہ ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان' رسولوں' نبیوں پر ایمان' کتابوں پر ایمان' ملائکہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان۔ آج کی دنیا میں اللہ اور ملائکہ نظر نہیں آتے۔ رسول ہیں نہیں۔ رسول اللہ صلعم پر اللہ تعالیٰ نے نبوت ختم کر دی ہے۔ آخرت کو ہم نے مستقبل پر چھوڑ رکھا ہے۔ لیکن کتاب اپنی اصل شکل میں آج بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ میں نے پرویز صاحب کی کتاب تبویب القرآن سے ایک دو پیراگراف لئے ہیں' جن میں ایمان کی تعریف یوں ہے۔

ایمان :۔

کسی بات کی سچائی کو دل کے پورے سکون اور ذہن کے کامل اطمینان کے ساتھ تسلیم کرنا' یقین کرنا۔ کسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنا۔ اطاعت کرنا' سر تسلیم خم کرنا۔

زندگی کی پوری عمارت چند غیر متبدل حقائق' اٹل اصولات اور محکم قوانین پر استوار ہوتی ہے۔ جب تک ان حقائق' اصول اقتدار اور صداقت کو تسلیم نہ کیا جائے انسان کا قدم آگے اٹھ نہیں سکتا۔ (4 = 2 + 2) ایک حقیقت ہے جب تک اسے صحیح تسلیم نہ کیا جائے ریاضی کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ سنکھیا موجب ہلاکت ہے۔ جب تک اس حقیقت پر یقین نہ ہو۔ انسان ہلاکت سے بچ نہیں سکتا جس طرح انسان کی طبیعی زندگی کے متعلق اٹل قوانین و حقائق مقرر ہیں' اسی طرح انسانی زندگی سے متعلق بھی غیر متبدل اصول و قوانین مقرر ہیں۔ یہ اصول اور قوانین قرآن کریم کے اندر موجود ہیں ان کی صداقت کو تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔

لیکن ایمان اندھے یقین کا نام نہیں۔ ان صداقتوں کو علم و بصیرت کی رو سے سمجھنے اور غور و فکر کے بعد تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔ انگریزی زبان میں ایمان کا ترجمہ FAITH کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں FAITH بلا علم و بصیرت اندھے یقین کو کہتے ہیں جبکہ ایمان اس یقین کا نام ہے جو علم و بصیرت کی رو سے حاصل ہو۔ جن صداقتوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے بعض ایسی بھی ہیں۔ جن کا تعلق ہماری محسوس دنیا سے نہیں۔ مثلاً مرنے کے بعد کی زندگی۔ ان امور کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا یعنی ان کا علم حواس کے ذریعے حاصل نہیں کیا جا سکتا لیکن انہیں علم و بصیرت کی رو سمجھا جا سکتا ہے۔ ایسے حقائق کی صداقت کو اسطرح تسلیم کرنے کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔

بعض حقائق ایسے ہیں جن پر تجربہ کرنے کے بعد ان کی صداقت محسوس نتائج کی شکل میں سامنے آتی ہے مثلاً" کسی کسان سے کہنا کہ اگر تم یہ کھاد ڈالو گے تو فصل زیادہ پیدا ہو گی۔ اب ظاہر ہے کہ اس دعویٰ کی صداقت اسی صورت میں سامنے آسکتی ہے جب کسان اس کھاد کو اپنے کھیت میں ڈال کر کھیتی کرے۔ اس قسم کے حقائق کے ان دیکھے نتائج کو صحیح تسلیم کر لینا بھی ایمان بالغیب کہلاتا ہے۔ کسی بات کو علی وجہ البصیرت تسلیم کر لینے اور نتائج سے اس دعوے کی صداقت کو پرکھ لینے سے انسان کو صحیح اطمینان نصیب ہو جاتا ہے' اس لئے امن اور ایمان کا مادہ (ا م ن) ایک ہی ہے۔ مومن اسے کہتے ہیں جو ان حقائق کو اس طرح صحیح تسلیم کرے کہ اسے اطمینان اور امن نصیب ہو جائے اس بارے میں قرآن شریف کی کئی آیتیں ہیں۔ میں کچھ آیتیں آپ کو بتانا چاہ رہا تھا۔ سورۃ المائدہ کی آیت ہے۔

خدا کہتا ہے جو مومنین ہیں ان کے صحیح نتائج نکلنے کا طریقہ کیا ہے۔ تو خدا نے کہا کہ "اے وہ

لوگ جو ایمان لائے۔ تم لوگ ایمان لاؤ اور اچھے اعمال کرو۔ اس سے واضح ہوا کہ صرف ایمان سے یا صرف عمل کرنے سے کام نہیں چلتا اس کے لئے یہ دونوں ہونا ضروری ہیں کیونکہ ایمان صحیح ڈائرکشن اور منزل دیتا ہے' عمل اس سفر کا نام ہے جس پر چل کر آپ نے منزل پر پہنچنا ہے۔ صحیح ڈائرکشن کا تعین نہ ہو تو سفر بے یقینی ہو جاتا ہے۔ فرض کریں ایک معاشرہ قائم ہوا ہے۔ کچھ لوگ جاکر اس معاشرے میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن جس نے وہ معاشرہ قائم کیا ہے اور جو بعد میں جاکر شامل ہو جاتے ہیں' دونوں آپس میں برابر نہیں ہیں جنہوں نے وہ معاشرہ قائم کیا ہے ان کے نفس میں جو تبدیلی آئی ہے وہ بعد میں شامل ہونے والے کے نفس میں نہیں ہو سکتی۔ فائدے تو دونوں لے رہے ہیں۔ لیکن جو اس "پراسس" سے گزرا ہے اس کا نفس وہ ہے جس کی نشوونما ہوئی ہے۔ سورۃ الانعام میں ہے آیت (۱۵۹)

کہ کسی نفس کو اس کا فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے' جب تک وہ جو بھی رزلٹ ہے اس رزلٹ کے آنے سے پہلے ایمان نہ لائے۔ جب ظہور نتائج کا وقت آجائے تو اس کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا مگر تھوڑا فائدہ ہو گا کہ وہ اس میں شامل ہو گیا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے "کہ تم پہلے ایمان لاؤ اور پھر عمل صالح کرو" جیسے عیسائی اور یہودی کہتے ہیں کہ ان کے پاس بھی کتابیں ہیں اور وہ ان پر عمل کرتے ہیں اور ہم بھی اسی مقام پر کھڑے ہیں جس پر مسلمان ہیں سورۃ البقرۃ کی آیت ہے ۱۳۷ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے رسول یہ اس طرح ایمان لائیں جیسا کہ تم ایمان لائے ہو"

تو پھر یہ ہدایت پر ہوں گے۔ اگر یہ اپنی مرضی سے اپنے خیالات سے جیسے میں ایک کہانی سن لیتا ہوں کہ میں کہتا ہوں کہ میں اس پر ایمان لاتا ہوں وہ کہانی ایسی ہے جیسا کہ آج کل بدقسمتی سے "اسلام" میں زیادہ تر کہانیاں ہیں ان کہانیوں پر ایمان لاکر دل میں سوچ لیتے ہیں کہ یہ کہانی یہ کہتی ہے حالانکہ ایمان سے مفہوم یہ ہے کہ انسان کے دل میں کسی وقت بھی تذبذب پیدا نہ ہو۔ اگر کیفیت یہ ہو کہ ایک بات کو مان لیا پھر اس سے انکار کر دیا تو ایسے لوگ قانون خداوندی کے سائے میں اپنی حفاظت کا سامان نہیں پا سکتے۔ ایمان کی ضرورت کے بارے میں میں چند اور آیات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ سورۃ المائدہ کی آیت ہے

وعد اللہ الذین امنو و عملو الصلحت لھم مغفرۃ و اجر عظیم

مفہوم:

یاد رکھو خدا کا یہ اٹل قانون ہے کہ جو لوگ بھی اس ضابطہ حیات کی صداقت پر یقین رکھ کر اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں گے اور پھر اس کے تجویز کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوں

گے۔ تو زندگی کے خطرات سے ان کی حفاظت ہو گی اور ان کی محنت کے نتائج عظیم الشان ہوں گے۔

اگر ایمان کی شہادت انسان کے اعمال نہ دیں تو ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ کسی بھی حقیقت کو صحیح ماننے سے مطلب ہی یہ ہے کہ انسان اس کے مطابق عمل کرے۔ سب کو پتہ ہے کہ سچ بولنا اچھی بات ہے اور جھوٹ بولنا بری۔ اگر ہم پھر بھی جھوٹ بولیں تو پھر یہ کہنا کہ جھوٹ بولنا بری بات ہے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگر اپنی مصلحت کے تحت سچ یا جھوٹ بولا جائے تو پھر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے وہ اعمال نتیجہ خیز نہیں ہو سکتے۔ ایمان اور عمل دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔

سورۃ انعام کی آیت ہے

لا ینفع نفسا ایمانھا لم تکن امنت من قبل

مفہوم:۔

ان سے کہہ دو کہ جس دن خدا کی محسوس نشانیاں سامنے آیا کرتی ہیں اس وقت کسی ایسے شخص کا ایمان لانا اس کے لئے نفع بخش نہیں ہو سکتا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا تھا۔ قرآن نے باربار یہ تاکید کی ہے کہ ایمان لاؤ اور پھر اعمال صالح کرو دیگر اہل کتاب عیسائی اور یہودی بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان کا مقصود ان کی کتاب پر ایمان لانا ہوتا ہے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے ان کی کتابیں آج کس حالت میں ہیں۔ ان کا کہنا کہ وہ بھی اس مقام پر کھڑے ہیں جس پر مسلمان کھڑے ہیں۔ صحیح نہیں۔

سورۃ البقرہ کی آیت ہے

فان امنو بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدو

اگر یہ لوگ بھی اس طرح اس ضابطہ حیات پر ایمان لائیں۔ جس طرح تم ایمان لائے ہو تو اس وقت یہ خدا کے متعین کردہ صحیح راستہ پر ہوں گے۔ یہ تھے چند حقائق ایمان کے بارے میں جو میں نے پیش کئے۔ قرآن کی تعلیم ان سب کی بنیاد ہے لیکن آج کل قصے کہانیوں پر یقین اور قرآن پر ایمان ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن خالص پر ایمان لایا جائے۔ یہ ایک یقینی سہارا ہے اور اس سے بہتر سہارا کوئی اور نہیں ہے۔ لیکن اس سے منسلک ہو کر پھر اس سے پھر جانے سے سب اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ایسے ایمان کا کوئی فائدہ نہیں۔

حسین امیر فرہاد

عورت اور علماء

ہمارے علماء جب بھی عورت کا ذکر کرتے ہیں، تو کہتے ہیں۔ ایامِ جاہلیت میں اسے زندہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ بھلا ہو اسلام کا، اسلام نے عورتوں کے اخلاق بلند کر کے ان کا احترام مردوں پر واجب کر دیا، عورت کو انسان سمجھا، آزادی دی ــــ یہ کس قسم کی آزادی ہے۔ اس کی تفصیل ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے سنیئے۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریر و تقریر کی وجہ سے سندھ اور پنجاب میں ان کے خلاف خواتین نے جلوس نکالے۔ تب انہوں نے صوبہ سرحد کو اپنا ہدف بنا لیا۔ اس لئے بھی کہ یہاں کی عورت اتنی تعلیم یافتہ اور بیدار نہیں کہ ان کے خلاف جلوس نکالے۔ موصوف نے ۱۸ دسمبر کو مردان کے ٹاؤن ہال میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

"دین کے ٹھیکیداروں نے اسلام کا حلیہ بگاڑ دیا۔ بے حیائی، سود خوری انتہا کو پہنچ گئی۔ ہمارے ملک کی خوبصورت دوشیزائیں ایئر ہوسٹس بن کر ملک ملک بغیر محرم کے گھومتی ہیں۔ قاہرہ، پیرس اور لندن کے ہوٹلوں میں قیام کرتی ہیں۔ غرض تین ہفتے بعد لوٹتی ہیں کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں کہ وہ کہاں رہیں اور کیا کرتی رہیں۔

جس مذہب کی ایک بوڑھی عورت حج کرنے بغیر محرم کے نہیں جا سکتی وہاں دوشیزائیں کس طرح گھومتی پھرتی ہیں۔

اور یہ ظلم الگ ہے کہ عورتیں نرسوں کی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں کہ یہ قرآن کا حکم ہے یا حدیث کا کہ ایئر ہوسٹس یا نرسیں زنانہ ہوں۔ آخر مرد بھی تو یہ خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ عورتوں سے یہ بے حیائی کے کام لئے جاتے ہیں۔"

میں یہ نہیں کہتا کہ عورتوں سے کام ہی نہ لیا جائے۔ کام لیا جائے مگر گھر میں۔ یا اُن

کے لئے ایسے ادارے یا فیکٹریاں قائم کی جائیں جہاں خواتین سپروائزر ہوں مرد کوئی نہ ہوں۔"

قارئین! یہ ہے وہ آزادی جو اسلام نے بقول ان کے عورتوں کو دے رکھی ہے۔ یہی کچھ خیالات قرون اولیٰ کے دانش وروں، حکماء اور فلاسفروں اور مذہبی پیشواؤں کے تھے۔ مطالعہ تاریخ سے پتہ چلا ہے کہ سوائے شاذ صورتوں کے ہر شخص نے اسی امر پر زور دیا ہے کہ عورت کی فطرت مرد کے مقابلے میں بہت کمزور اور ادنیٰ ہے۔ حتیٰ کہ زمانہ قدیم میں یہ امر ہی مابہ نزاع تھا کہ عورت کے پاس نفس (MIND) بھی ہے یا نہیں۔ ہندوچین، یونان اور روما میں بھی (جو تہذیب و شائستگی کے گہوارے سمجھے جاتے تھے) عورت سے احتراز کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بروایت انڈرومیکی یونانیوں کا خیال تھا کہ آگ سے جل جانے اور سانپ کے ڈسنے کا علاج ممکن ہے لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے۔ سقراط کہتا تھا کہ عورت سے زیادہ فتنہ فساد والی چیز دنیا میں اور کوئی نہیں۔ یہ DIFLI کا درخت ہے جو بظاہر خوشنما خوبصورت نظر آتا ہے۔ لیکن جب کوئی چڑیا اسے کھاتی ہے تو مر جاتی ہے۔ ڈیڈرو کہتا تھا کہ عورتیں صرف جسمانی لذات حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ روسو نے اسی خیال کو ذرا مہذب الفاظ میں بیان کیا ہے کہ عورت مرد کی مسرت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ فرانس کا ایک مشہور شاعر کہتا تھا کہ

"میں فطرت سے اس لئے برہم ہوں کہ اس نے اس کمینہ جانور (عورت) کو محاسن محو کرنے کے لئے پیدا کیا۔ آخر کیوں۔"

عورت کی ذلت کا خیال حکماء و فلاسفرز کے دماغ میں ہی نہ تھا' مذہبی دنیا میں بھی اس کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ قدیس برنار کہتا ہے کہ عورت شیطان کا آلہ ہے۔ یوحنا دمشقی کا قول ہے کہ عورت مکر کی بیٹی ہے اور امن و سلامتی کی دشمن ہے۔ یورپ بالخصوص رومتہ الکبریٰ جو عیسائیت کا مرکز تھا۔ مبلغین امن کی جماعتیں ہر جگہ مسیح کی تعلیمات کی تبلیغ کرتی نظر آتی تھیں وہاں ذرا ذرا سے قصور پر عورتوں کو ذبح کیا جاتا تھا' بے بنیاد الزامات پر آگ میں ڈال دی جاتی تھیں۔ سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں جب جادو کا اعتقاد لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو گیا تھا اس وقت صرف عورتوں پر الزام دھرا جاتا تھا' وہی ظلم کا شکار ہوتی تھیں۔ بقول ڈاکٹر سپرنگ ۹۰ لاکھ عورتوں کو زندہ جلایا گیا۔ الگزنڈر ششم نے ۱۴۹۴ء میں، لوئی دہم نے ۱۵۲۱ء میں، اڈرین ششم نے ۱۵۲۲ء میں جس بے دردی کے ساتھ عورتوں اور ان کے بچوں کو سحر کے الزام میں ذبح کیا، اس سے یورپ کی تاریخ کے صفحات رنگین ہیں۔ ملکہ الزبتھ اور جیمس اول کے عہد میں ہزاروں عورتوں کا اس جرم میں جلایا جانا اور لانگ پارلیمنٹ کے زمانے میں سولی دیا جانا تاریخ کے کھلے ہوئے واقعات ہیں۔

بائیبل میں ہے کہ خدا نے مرد (آدم) کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ وہ جب تنہائی کی وجہ سے اداس اداس رہنے

لگا، تو اس کی دل جوئی کی خاطر اس کی پسلی سے عورت (حوا) کو پیدا کیا۔ یعنی مقصود بالذات تو مرد کی پیدائش تھی۔ عورت کو محض مرد کی دل جوئی کے لئے کھلونا پیدا کیا اور اسی عورت کی وجہ سے وہ جنت سے نکالا گیا۔ ایک مدت تک کلیسا میں یہ بحث ہوتی رہی کہ عورت میں روح ہوتی ہے یا نہیں۔ اس کی فطرت کے متعلق کہا کہ پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے اسے سیدھا کرو تو ٹوٹ جائے گی مگر سیدھی نہیں ہوگی۔

ایران میں بہن اور بیوی میں تمیز نہ تھی۔ منگول مرے باپ کی بیویوں میں سے سب سے خوبصورت کو بیوی بنا لیتے تھے۔ عورت کے متعلق اس قسم کے تصورات قریب قریب ہر مذہب میں تھے۔ ہندوؤں کے ہاں ایک عورت کئی بھائیوں کی بیوی بن سکتی تھی۔ یہ بطور حق کے کچھ نہیں لے سکتی تھی۔ عورت کو جو دیا جائے گا تو بطور خیرات دیا جائے گا۔ کنیادان ہندوؤں کا مسلّمہ ہے۔ وہ اپنا خاوند بھی خود منتخب نہیں کر سکتی۔ باپ اسے جس کے پلّے باندھ دے۔ بلکہ بچپنے میں جس سے چاہے بیاہ دے۔ شادی کا بندھن مستقل ہوگا جو کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ شوہر کے بعد بھی عورت ساری عمر اس کی بیوہ بن کر رہے یا خاوند کی چتا میں[1] جل مرے۔ عرب کی جو حالت تھی اس شعر سے اس کا اندازہ لگ سکتا ہے۔

اِنَّ نساء شیاطین خلقن لنا
نعوذ باللہ من شر الشیاطین

وہ تو کہتے تھے۔ عورت شر ہے۔ شر کو جتنی جلدی ہٹا کر گھر اگاڑا جائے بہتر ہے۔ لیکن باوجود اس کے عورت دنیا میں اس قدر اہمیت لے کر آئی تھی باوصف اس کے ہم اس قدر شدت سے اس کے محتاج ہیں فطرت کا یہ کس قدر عجیب و غریب فیصلہ ہے کہ اس قابلِ رحم طبقہ کی سب سے زیادہ توہین کی گئی اور اسی قابلِ رحم جنس پر زیادہ مظالم روا رکھے گئے۔

انسانیت کی قدیم تاریخ دنیا کی ایسی دردناک داستان ہے کہ مشکل سے کوئی شخص اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی صحت کا یقین کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ واقعات محو نہیں ہو سکتے۔ اس لئے یہ بدنما داغ انسانیت کی پیشانی سے کبھی نہیں مٹ سکتا کہ مرد نے اس کی آغوش کو زخمی کیا جس آغوش میں اس نے پرورش پائی اور اس نے اسی سینے کو مجروح کیا جس سے اس کا رشتۂ حیات و اعمال وابستہ تھا۔

---

[1] یہ رسم آہستہ آہستہ انگریزوں نے ختم کروائی۔ اسے ستی پروتا کہتے ہیں۔ یہ ہندوؤں کے مذہب کا حصہ تھا۔ ۱۹۸۲ء میں راجستھان میں اس رسم کو دوبارہ تازہ کیا گیا۔ ہندو بڑے خوش تھے مگر عین موقعہ پر لڑکی چتا سے اٹھ کر بھاگنے لگی۔ پنڈتوں نے اسے سر پر مار کر دوبارہ چتا میں لٹایا اور جلا دیا۔

یورپ کی عورت

جسے ہم سمجھتے ہیں کہ آزاد ہے اس کی حالت تو ہم سے بھی زیادہ خراب ہے۔ اس کے تحت الشعور میں مردوں نے یہ چیز بٹھا دی کہ وہ مردوں کی نظروں میں خوبصورت دکھائی دے۔ جب اس خواہش کا علم اسے ہوا تو اس نے آئینہ ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اس کی سوچ اور فکر کا تنہا مقصود یہی رہ گیا کہ وہ حُسن کے معیار پر پوری اُترے۔ اتفاق سے جنگِ عظیم کے دوران ڈاکٹری کی ایک نئی شاخ پیدا ہوگئی جو معیوب اور بے کار اعضاء کو کارآمد اور مفید بنانے لگی۔ (پلاسٹک سرجری)۔ اس لئے عورتوں کی توجہ اس طرف ہوئی۔ ضرورت ایجاد کی ماں کہلاتی ہے۔ اس لئے اس نے حسین بننے اور بنانے کا ایک مستقل فن پیدا کر لیا جس کے جاننے والے یورپ کے ہر شہر میں پائے جاتے ہیں۔ ہم تو موٹی پلار تک محدود ہیں۔ اب عورت خودکشی گوارا کر سکتی ہے مگر بدصورت رہنا گوارا نہیں کر سکتی۔ معمر عورتیں بھی اپنے جسم کی جھُریاں ختم کرا کر جوان بن رہی ہیں۔ جوان عورتوں کا تو کیا کہنا۔ انہیں تو جسم کے ایک ایک عضو کا حساب دینا پڑتا ہے۔ مقابلۂ حسن کے بین الاقوامی جلسوں میں یہی تو دیکھا جاتا ہے کہ کس عورت کی کون سی چیز زیادہ دلکش ہے۔ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک کے لئے اصول بنائے گئے ہیں۔ ہر چیز کا سائز مقرر ہے۔ ہر عورت وینس کا مجسمہ بننا چاہتی ہے۔ اس کے لئے وہ ورزشیں کرتی ہے۔ تیز دھوپ میں ساحلوں پر دوڑتی ہے۔ سن باتھ لیتی ہے۔ اس حد تک ڈائٹنگ (فاقے) کرتی ہے کہ آنکھوں کے آگے ترمرے ناچتے ہیں۔ مقصد ایک ہی ہوتا ہے اکتسابِ حُسن و جمال۔ یورپ کی عورت غلام ہے مرد کی ہر نگاہ کے لئے اپنے آپ کو سنوارتی ہے۔ دیکھئے اس کی زیبائش و آرائش، فروغِ حُسن کی نمائش، اندازِ گفتار و رفتار لباس تراش و خراش اور فیشن میں یہی ایک جذبہ کارفرما نظر آتا ہے کہ کس طرح مردوں کی نظروں میں جاذبِ نظر معلوم ہو۔ یہ غیر شعوری طور پر اس نظریئے کا اثر ہے جو ہزاروں سالوں سے عورتوں کی رگ رگ میں مردوں نے بٹھا رکھا ہے۔ اس سے قبل کہ میں بیان کروں کہ قرآن کی آواز کیا ہے۔ بہتر ہے پہلے یہ بتاؤں کہ اسلام کے پیروکار یا مذہبی اجارہ دار عورت کے متعلق کیا کہتے ہیں۔

۱۔ یہ شیطان کے بہکاوے میں آئی، ہمیں جنت سے نکلنا پڑا۔
۲۔ یہ ناقص الایمان اور ناقص العقل ہے۔
۳۔ مرد کے مقابلے میں عورت آدھے حصّے کی حقدار ہے۔
۴۔ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی لازم ہے۔ یہ خدا کا حکم ہے۔
۵۔ یہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتی۔ اس کے جلو میں شیطان پھرتا ہے۔ زیب و زینت حرام ہے۔
۶۔ عورت مرد سے فروتر ہے۔

۷۔ امورِ مملکت اس کا کام نہیں۔
۸۔ شادی بیاہ کے موقع پر اس کی مرضی معلوم کرنا ضروری نہیں۔
۹۔ اسے لونڈی کی حیثیت سے بھی رکھا جا سکتا ہے۔ یار دوست کو سپلائی بھی کیا جا سکتا ہے، فروخت بھی کیا جا سکتا ہے اور بغیر نکاح کے جنسی اختلاط بھی رکھا جا سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

قرآن کی انقلابی آواز

یہ سب کچھ اس کے باوجود کہ قرآن نے ان تمام نظریات و معتقدات کو باطل قرار دیا جو صدیوں سے مرد نے پھیلا رکھے تھے۔ انسانی تاریخ میں یہ سب سے بڑی آواز تھی۔ قرآن نے اس نظریئے کو باطل قرار دیا کہ عورت مرد کی پسلی سے پیدا ہوئی۔ قرآن نے بتایا کہ زندگی اپنے مختلف ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی پیکرِ انسانی تک پہنچی ہے۔ اس کی ابتدا، ایک جرثومۂ حیات (LIFE CELL) سے ہوئی۔ اس میں نر اور مادہ کا امتیاز نہیں تھا۔ پھر وہ جوشِ نمو سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصہ نر کے امتیازات لئے ہوئے (SPERMATAZOON) اور دوسرا مادہ کے خصائص کا حامل (OVUM)۔ ان دونوں کے امتزاج سے پیدائش کا سلسلہ بذریعہ تولید آگے چلا۔ یہ غلط ہے پہلے مرد پیدا ہوا۔ پھر اس کی پسلی سے عورت کو پیدا کیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

> الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ "اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ایک جرثومۂ حیات سے پیدا کیا۔" وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا "اور اسی جرثومے سے تمہارا جوڑا پیدا کیا" اور بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً "اور ان دونوں کے امتزاج سے مردوں اور عورتوں کی بڑی تعداد دنیا میں پھیلا دی۔" (۴/۱)

رہی بہکانے کی بات تو قرآن نے اس کی بھی تردید کی۔ اس نے کہا کہ مرد اور عورت دونوں میں صحیح راستے پر چلنے اور اس سے بہک جانے کا امکان یکساں طور پر موجود ہے، یہ دونوں لغزش کر سکتے ہیں۔ کہا۔ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا (بقرہ آیت ۳۶)۔ زَلَّ تو پھسلنے کو کہتے ہیں هُمَا دونوں کو شریک کرتا ہے۔ ہر عالمِ دین اس کا یہی ترجمہ کرتا ہے۔ "پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا"۔ یعنی یہ الزام غلط ہے کہ جنت سے نکالے جانے کا سبب اکیلی حوا تھی۔

دوسرا الزام کہ عورت ناقص العقل والایمان ہے۔ اگر عورت کو ناقص العقل تسلیم کر لیا جائے تو پھر تو دنیا میں کوئی بھی عقلمندی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر مرد کے کاندھوں پر تین عدد ناقص العقل عورتوں کا بوجھ ہے، ماں نانی اور دادی۔ اگر عورت ناقص العقل ہوئی، تو مرد ناقص، ناقص و ناقص العقل ہوا۔ رہی ایمان کی بات تو باری تعالیٰ

کا ارشاد ہے کہ

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ۝ (احزاب ۳۵)

اگر مردوں میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ قوانینِ خداوندی کی اطاعت کر سکیں تو عورتوں میں بھی اس کی صلاحیت ہے۔ اگر مرد اس جماعت کے رُکن بن سکتے ہیں جو ان قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہوئے امنِ عالم کی ذمہ دار بنتی ہے تو عورتیں بھی اس کی رکن بن سکتی ہیں (المومنین و المومنات)۔ تو یہ بات بھی غلط ہے کہ عورت کے ایمان میں مرد سے کچھ کمی ہے۔

رہی ترکے میں مرد عورت میں عدم مساوات کی بات تو ایسا نہیں ہے۔ ترکہ میں مرد عورت ہر جگہ برابر ہیں۔ مثلاً اگر کوئی مر جائے تو اس کے ماں باپ کو چھٹا حصّہ ملے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ باپ (مرد) کو تو چھٹا حصّہ ملے گا اور ماں کو بارہواں (سورۃ النساء آیت ۱۱)۔ یہی حکم کلالہ کی وراثت کے سلسلے میں ہے۔ اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کا نہ باپ ہو نہ بیٹا مگر اس کے بہن بھائی ہوں تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصّہ ہوگا۔ (سورہ نساء آیت ۱۲)

ان آیات کی رُو سے مرد اور عورت برابر ہیں۔ صرف اولاد کے بارے میں فرمایا کہ بیٹے کے مقابلے میں بیٹی نصف کی حقدار ہے۔ اس میں اللہ کی یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ بیٹی بیٹے کے مقابلے میں باپ سے نصف وصول کر لیتی ہے شوہر کے ہاں جا کر اس کی جائیداد میں حصّہ دار بنتی ہے، ماں بن کر بھی حصّہ دار بنتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا انصاف ہے۔ زنا یا دیگر جرم کی پاداش میں مرد اور عورت کے لئے سزا بھی ایک جتنی رکھی گئی ہے۔ اب بتایئے کہ عورت مرد کے مقابلے میں کہاں فروتر ہے؟

قانونِ شہادت کا معاملہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں نے شہادت دینی ہوگی۔ بات یوں ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی عورت عدالت میں گواہی دیتے وقت گھبرا جاتی ہے۔ ٹھیک طرح سے گواہی نہیں دے سکتی۔ اندازہ کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی عورت کا کیا حال ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ پروردگار نے فرمایا کہ ایک عورت کے ساتھ دوسری چلی جایا کرے تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے (۲/۲۸۲)۔ یعنی دوسری عورت یہ نہ کرے کہ خود ہی گواہی دینی شروع کر دے۔ بلکہ گواہ عورت کو یاد دلائے۔ اور اگر شہادت والی عورت عدالت میں نہ گھبرائے، تو پھر اس کی بھی ضرورت نہیں۔ جیسے کہ آج کی عورت جج ہے، وکیل ہے، ڈاکٹر اور انجینئر ہے۔ اسے کیا ضرورت کسی سہیلی کو لے جانے کی۔

رہی چار دیواری میں بند کرنے والی بات، تو پروردگار نے تو یہ تک کہہ دیا مومن عورتوں کے متعلق کہ ان کی خصوصیت سیاحت (سورہ تحریم آیت ۵)۔ یعنی سیاحت کرنے والیاں بمقابلہ سیاحت کرنے والے مردوں کے (السّائِحُوْنَ سورہ توبہ آیت ۱۱۲)۔ حتیٰ کہ قرآن نے یہ تک کہہ دیا کہ جو مرد کمائے گا وہ اس کا حصّہ ہوگا، جو کچھ عورت کمائے گی وہ اس

کا حصّہ ہوگا (سورہ النساء آیت ۳۲)۔ عورت باہر جاسکتی ہے، کما کر لاسکتی ہے۔ اس پر اللہ کی جانب سے کوئی پابندی نہیں ہے۔

امورِ مملکت

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عورت امورِ مملکت میں حصّہ نہیں لے سکتی۔ یہ خیال بھی قرآن کریم کی تعلیمات سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ قرآنِ کریم نے اسلامی مملکت کا بنیادی فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بتایا ہے (سورۂ حج آیت ۴۱) اور اس فریضے کے متعلق کہا ہے کہ "مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں (سورہ توبہ آیت ۷۱)۔ اس سے واضح ہے کہ امورِ مملکت کی انجام دہی میں عورتیں برابر کی شریک ہیں۔

شادی پسند سے

قرآنِ کریم نے اس رشتے کی استواری (یا معاہدے کے لئے) مرد کی رضامندی یہ کہہ کر ضروری قرار دے دی۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (۴/۳)

اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو۔

اور عورتوں کی رضامندی یہ کہہ کر ضروری قرار دے دی کہ

لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا (۴/۱۹)

تمہارے لئے یہ قطعاً حلال نہیں کہ تم عورتوں کی مرضی کے بغیر زبردستی ان کے مالک بن جاؤ۔

ان دو آیتوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ شادی کے لئے فریقین کی رضامندی لازمی ہے۔ شادی کی وہاں جاتی ہے جہاں پسند ہو، نہ کہ جہاں ناپسندیدگی ہو۔

لونڈی

قرآن نے زنا کو حرام قرار دے کر وحدتِ ازواج کو بطور اصول مقرر کرکے معاشرے کی ان تمام خرابیوں کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ دیا جن کی رو سے عورت مرد سے سہمی سہمی رہتی تھی۔ نزولِ قرآن کے وقت دنیا کی قریب قریب ہر قوم میں غلامی کا رواج تھا۔ قرآن کی بنیادی تعلیم تکریم و مساواتِ انسانیہ ہے۔ وہ اسے مستقل قدر قرار دیتا ہے جس سے

کسی صورت میں بھی انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں غلامی جیسی انسانیت سوز لعنت کو کس طرح جائز اور روا قرار دے سکتا ہے۔ اس زمانے میں جنگی قیدیوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنایا کرتے تھے۔ قرآنِ کریم نے جنگی قیدیوں کے متعلق حکم دے دیا کہ انہیں چھوڑنا ہوگا خواہ فدیہ لے کر یا احسان رکھ کر (سورۂ محمد آیت ۴)۔ اور جب تک تمہارے پاس رہیں ان سے انسانیت کا سلوک کرنا ہوگا۔ یوں قرآن نے غلامی کا دروازہ بند کر دیا۔ لیکن اس وقت عرب معاشرہ میں جو غلام تھے انہیں ایک دم نکال دینے سے معاشرے کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔ لہٰذا رفتہ رفتہ ایسے احکام و ضوابط دیئے کہ وہ تمام غلام اور لونڈیاں یا آزاد ہو جائیں یا مسلمانوں کے افرادِ خاندان بن جائیں۔ قرآن میں جہاں جہاں ما ملکت ایمانکم کا ذکر آتا ہے ان سے مراد وہ غلام اور لونڈیاں ہیں جو اس وقت وہاں کے معاشرے میں موجود تھے۔ لہٰذا ان کے آزاد ہونے یا معاشرہ میں جذب ہو جانے کے بعد قرآن کی رُو سے غلام اور لونڈیوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ قرآنِ کریم نے تو عورت کو مقامِ شرف و تکریم دیا ہے۔ مگر ہماری مذہبی پیشوائیت اسے ڈھور ڈنگر کے ساتھ کھرلی پر باندھنا چاہتے ہیں، چار دیواری میں بند کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے ایسی فیکٹریاں لگانے کو کہہ رہے ہیں جن میں سپروائزر اور فورمین مرد نہ ہوں عورتیں ہوں۔ پھر ان کے لئے ایسی بسوں کا انتظام بھی کرنا پڑے گا جنہیں عورتیں چلاتی ہوں، ان کا واسطہ ٹریفک پولیس سے پڑے گا۔ لہٰذا وہاں بھی عورت کانسٹیبل کا انتظام کرنا ہوگا۔ ہر ٹریفک کانسٹیبل کے ساتھ ایک لیڈی کانسٹیبل کا انتظام کرنا ہوگا تاکہ وہ خواتین کا چالان کیا کرے۔ لیڈی کانسٹیبل مرد ٹریفک کانسٹیبل کے ساتھ کیسے ڈیوٹی دے گی۔ یہاں بھی ۴۰۴ ڈولٹ کا خطرہ ہے، کانسٹیبل غیر محرم ہوگا۔ ان کی نظروں میں مرد عورت بجلی کی دو ننگی تاریں ہیں۔ ہر وقت ان کے ٹکرانے کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہی دو تاروں کے ٹکرانے سے روشنی ہوتی ہے، کائنات کی تمام رونق بھی مرد و زن سے ہے، انہیں اللہ تعالیٰ نے زوج کہا ہے یعنی جوڑا، یہ ایک دوسرے کی تکمیل کا موجب ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرا بیکار ہے، سلسلۂ ارتقاء انہی ازواج کی رو سے جاری و ساری ہے، البتہ جنسی تمتع کے لئے پروردگار کا حکم ہے کہ صرف بیویوں سے اور ما ملکت ایمانکم کے ساتھ جائز ہے (سورہ مومنون آیت ۶)۔ ما ملکت تو رہی نہیں بیوی پر گذارہ کرنا پڑے گا۔ نظامِ تمدن میں مسئلۂ نسائیات نے اب اس قدر اہمیت اختیار کر لی ہے کہ زندگی کے کسی شعبے پر اس وقت تک کوئی مکمل بحث نہیں ہو سکتی جب تک خدا کی اس نازک مگر کس قدر اہم مخلوق کا ذکر نہ کیا جائے۔ کیونکہ عالمِ اخلاق کا کوئی پہلو عورت سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور عمرانیت اور مدنیت کا مفہوم ایک وہم ہو کر رہ جاتا ہے اگر جنس نازک کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ عورت ہی تھی جس نے سخت ترین منازلِ حیات طے کرنے میں ہماری مدد کی۔

ہم سکندرِ اعظم، نپولین، بوناپارٹ، گلیکو، خالد بن ولید، صلاح الدین ایوبی، طارق بن زیاد اور ٹیپو سلطان کے

کمالات سے متاثر ہو سکتے ہیں مگر کلیو پترا، جون آف آرک کیتھرائن، چاند بی بی، رضیہ سلطانہ جھانسی کی رانی ہمیں متاثر نہیں کر سکتی۔ کون ہے جو علوم ریاضی کی ماہر صوفیا ہرمان کو بھلا سکتا ہے اور آغا لینس مصریہ کا حرکت افلاک دیکھ کر صحیح صحیح پیشین گوئی کرنا اور عقلی کی مشہور عورت اگلا دینس کا کسوف و خسوف کے حالات بتا دینا۔ اس زمانے میں جب مرد بھی علم افلاک سے نابلد تھا۔ سکندریہ کی مشہور فلاسفر عورت ہیپاتھیا کے علمی کارناموں سے تاریخ کے صفحات معمور ہیں جس نے اسطرلاب ایجاد کیا اور علم جبر پہ ایک کتاب لکھی۔ جرمنی کی میری کوینسا اور مارگریٹ کرش، فرانس کی دومی میڈم دوشاتلی میڈم پوٹ میڈم لالونڈ میڈم دوسیری میڈم ویلاروسو میڈم کلیمانس ترکیب الاجسام الفلکیہ پر جس نے سب سے پہلے کتاب لکھی وہ سر ولیم ہنجر کی بیوی تھی۔ اختراعات و ایجادات میں میڈم کو زمانہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اخلاقیات اور سیاسیات میں بھی زمانہ قدیم سے عہدِ حاضر تک عورتوں نے حصہ لیا۔ ملکہ تھیوڈور ملکہ زنوبیا، اسپین کی ملکہ اسابد، روس کی ملکہ میڈم رولینڈ جس نے آزادی فرانس میں بڑا حصہ لیا۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ لقد کرمنا بنی آدم میں عورت بھی شامل ہے صرف مرد نہیں۔

ایم بشیر احمد

مُسلم قوم جو مُجرم بن گئی

اللہ رب العالمین نے جناب محمد رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو تمام انبیاءؑ کے بعد سب سے آخر میں مبعوث فرمایا اور آپؐ کو خاتم النبیین قرار دیا (۳۳/۴۰)۔ آپؐ کو ہمہ صفت موصوف بنایا۔ تمام بنی نوع انسان کے لئے آپؐ کو بشیر اور نذیر بنایا (۳۴/۲۸)۔ آپؐ کو پیکرِ رحمت بنایا اور اعلان فرمایا کہ یہ رسولؐ مومنوں کے لئے رؤف و رحیم ہے (۹/۱۲۸)۔ آپؐ کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا (۱۰۷/۲۱)۔ قوم کی ہدایت کے لئے آپؐ کے ساتھ ایک کتاب نازل فرمائی جو جامع الکتب اور خاتم الکتب ہے۔ اللہ نے اس کتاب کو ذکر للعالمین (۴۸/۵۲) قرار دیا اور اس ذکر کی حفاظت کا ذمہ تا قیامت اپنے ذمہ لے لیا (۹/۱۵) اور اعلان فرما دیا کہ یہ وہ کتاب عزیز ہے کہ جس میں باطل کسی بھی طرف سے در نہ آ سکے گا (۴۲-۴۱/۴۱)۔

جناب رسول اللہ (علیہ السلام) کے ذمہ اللہ نے جو فرائض عائد کئے ان میں سے اہم یہ تھے۔

(i) آپؐ اللہ کی آیات قوم پر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

(ii) آپؐ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

(iii) آپؐ ان کا (جسمانی اور ذہنی) تزکیہ فرمایا کرتے تھے (۲/۱۲۹)۔

آپؐ یہ کچھ اللہ کی عطا کردہ کتاب قرآن کریم کی وساطت سے کیا کرتے تھے (۵۰/۴۵)۔

آپؐ نے اللہ کے فرمان کے مطابق تبلیغِ دین کا حق ادا فرما دیا اور اس سلسلے میں لوگوں کی مخالفت کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی اور محنت اور لگن سے اپنے فرائض کی ادائیگی کی اور یوں شبانہ روز کی محنتِ شاقہ سے ایک ایسی اعلیٰ قوم تیار کر دی کہ جس کے اندر سستی و کاہلی کا نام تک نہ رہا اور وہ مکمل طور پر مسلم و مومن بن گئی (۴۷/۳۵، ۳/۱۳۹)۔ یہ قوم ایسی شیر و شکر ہوئی کہ اللہ نے ان کی یہ خصوصیت بیان کی کہ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ (۴۸/۲۹) اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (۴۹/۱۰)۔ اس قوم میں عزت و توقیر اور تکریم و تعظیم کا معیار صرف تقوےٰ قرار پایا (۴۹/۱۳)۔ اللہ نے اس قوم

کو مومن قرار دیا اور عالم میں امن وامان قائم کرنا ان کا فریضہ قرار دیا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان پر لازم ٹھہرایا (۳/۱۱۰)۔
مگر دنیا میں حقیقی امن قائم کرنے کے لئے طاقت ناگزیر ہے۔ کوئی کمزور، بے وسیلہ اور بے سہارا قوم امن کا خواب تک
نہیں دیکھ سکتی۔ نہ اس کو کبھی خود امن نصیب ہوتا ہے اور نہ وہ دوسروں کو امن کی مستقل ضمانت دے سکتی ہے۔ اسی
لئے اللہ نے اس قوم کا فریضہ قرار دیا کہ وہ مقدور بھر اپنے اندر زیادہ سے زیادہ فوجی قوت پیدا کرے اور یہ فوجی قوت
اتنی عظیم ہونا چاہیئے کہ قوم کے سارے دشمن اس شدید ہیبت ناک قوت کا محض ذکر ہی سُن کر خوف اور ڈر کے مارے
مرعوب ہو کر دبک جائیں اور کبھی اس قوم کے خلاف سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکیں (۸/۶۰)۔
چنانچہ جناب رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی محیّر العقول قیادت میں یہ قوم اپنے وقت کی طاقت ور ترین
فوجی قوت بن گئی کہ اپنے سے دس گنا طاقت کو بھی بآسانی زیر کر سکتی تھی (۸/۶۵)۔
مگر رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فوجی تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تربیت پر بھی بڑا زور دیا۔
ان کو قوت کے نشہ میں بدمست ہرگز نہ ہونے دیا۔ بلکہ میدانِ جنگ میں دشمن تک کے ساتھ بھی عدل وانصاف
کرنا سکھایا (۵/۸)۔ تاریخ کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کر سکتی کہ اس مسلم قوم نے جو تربیت یافتۂ رسولِ
امین (امن کا پیامبر رسول) (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تھی، کسی بدترین دشمن کو بھی عدل وانصاف سے محروم رکھا ہو۔
یہ قوم امن وسلامتی کی نگہبان اور ہر چھوٹے بڑے کی عزت وآبرو اور جان ومال کی محافظ بن گئی۔ یہ قوم
سخت محنت کش تھی۔ اپنی محنت کے ذریعے دنیاوی مال ودولت بھی خوب کمائی مگر یہ دولت محض اپنے لئے روک کر
نہ رکھی بلکہ بنی نوع انسان کی بہبود اور مرفع الحالی پر خرچ کی۔ ہر یتیم، محروم ومسکین کا ان کے مال میں ایک مقررہ
قانونی حصہ موجود ہوتا تھا۔ ہر ضرورت مند (سائل) کی ضرورت پوری کرنا اس قوم کے فرائض میں شامل تھا چاہے اس کے
لئے ان کو اپنی بعض فوری اور شدید ضروریات کا ایثار ہی کیوں نہ کرنا پڑے (۵۹/۹)۔ اتنے عظیم کردار کی حامل قوم محض
منتر جنتر پڑھنے سے تیار نہ ہو گئی تھی۔ ان کے رہبرِ اعظم (حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ان کی کردار سازی میں
بڑی جان ماری تھی۔ آپؐ نے ان کے سامنے اللہ کی معیاری کتاب قرآنِ مجید کو رکھا۔ خود اس پر من وعن عمل کر کے
دکھایا اور ان کو اس پر کماحقہ، عمل کرنا سکھایا۔ ان کو بتایا کہ اللہ کی یہ کتاب لاجواب اور بے مثل وبے نظیر انسان کی ہر
شعبۂ حیات میں مکمل رہنمائی اور رہبری کرتی ہے۔ لہٰذا ان کو اللہ کا یہ فرمان ازبر کرادیا کہ

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا .... لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝
وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ .... وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا .... لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۳/۱۰۲ تا ۱۰۵)

"اے وہ لوگو! جو (سوچ سمجھ کر دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ) دائرۂ ایمان میں داخل ہو چکے ہو (خوب غور سے سُن اور سمجھ لو کہ اس ایمان کے تقاضے کیا ہیں)۔

i) اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے (اور وہ یہ ہے کہ تم اب اللہ کے علاوہ کسی کو بھی مکمل طور پر صاحبِ اختیار و اقتدار نہ سمجھو۔ قابلِ اطاعت قانون اور حکم صرف اللہ کا ہے۔ لہٰذا کسی غیر اللہ کے ایسے حکم کی اطاعت ہرگز نہ کرو جس سے اللہ کے قانون کی کسی طور پر نافرمانی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ تمہارا فرض یہ کہ ہمیشہ اس امر کی احتیاط کرتے رہو کہ اللہ کے کسی بھی حکم اور قانون کی خلاف ورزی ہرگز نہ ہونے پائے۔ کیونکہ یہی مسلمان ہونے کا مقصد و مدعا ہے۔ لہٰذا تم اس بات کا خاص خیال رکھو کہ تم جب بھی مرو تو مسلمان ہی مرو۔ (چونکہ موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں کہ کب آجائے اس لئے تم ہمیشہ یہی کوشش کرو کہ ہمہ وقت مسلمان ہی رہو اور مسلمانوں والے کام ہی کرتے رہو تاکہ جب بھی موت آئے وہ تمہیں مسلمان ہی پائے)۔

ii) اللہ کی ہدایت کی رسی (اس قرآنِ کریم) کو نہایت مضبوطی سے تھامے اور پکڑے رہو اور کبھی بھی تفرقہ بازی میں نہ پڑو (قرآنِ کریم کے ساتھ اعتصام کا لازمی نتیجہ ہی یہ ہوگا کہ تم فرقہ بازی کے عذاب سے بچ جاؤ گے)۔

iii) اور اللہ کی اس نصیحت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھو اور یاد کرتے رہو کہ ایک وقت تھا کہ تم لوگ بھی آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ مگر اللہ نے (اپنا رسولؐ اور قرآن بھیج کر اس کے ذریعے) تمہارے دلوں کے درمیان الفت اور محبت پیدا کر دی۔ یوں سمجھو کہ تم (باہمی دشمنی کی وجہ سے) فرقہ بازی کی) آگ کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑے تھے (اور اس میں گرنے ہی والے تھے کہ اس میں گر کر ہمیشہ کے لئے بھسم ہو کر نیست و نابود ہو جاتے) مگر اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ دیکھو تو اللہ کس کس شان سے تمہارے لئے اپنی آیات (ہدایات و احکامات) نہایت وضاحت سے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم واقعی ہدایت یاب ہو جاؤ۔

iv) چنانچہ اب تمہارے اندر ایک ایسی امت (جماعت، قوم، گروہ) ہمہ وقت موجود رہنی چاہیئے جو لوگوں کو خیر (ہر نیک کام جس میں تمام جہاں والوں کا بھلا ہو) کی طرف دعوت دیتے رہیں اور لوگوں کو معروف کاموں پر عمل پیرا ہونے کا حکماً پابند کرتے رہیں اور منکر (ناپسندیدہ) کاموں سے حکماً روکتے رہیں (کیونکہ ایسا کرنے سے ہی امن و سلامتی حاصل ہو سکتی ہے) تو ایسے لوگ ہی درحقیقت فلاح پانے والے ہوتے ہیں (کہ کامیابی و کامرانی ہمیشہ آگے بڑھ کر ان کے قدم چومتی ہے)۔

v) دوبارہ تاکید سے سُن لو کہ تم ان لوگوں کی طرح ہرگز نہ ہو جانا کہ جنہوں نے اس قسم کی بینات (واضح احکامات و ہدایات) آجانے کے بعد تفرقہ بازی شروع کر دی اور اختلافات کا شکار ہو گئے۔ یاد رکھو! یہی ہیں وہ لوگ جو عذابِ عظیم کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

تو جناب رسولِ کریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ایک ایسی امت، قوم کو عطا فرما دی کہ جو تفرقہ بازی اور اختلافات سے کوسوں دُور تھی اور ہمیشہ ایسا رہنے کے لئے آپؐ نے ان کو ہدایت فرما دی کہ

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ (۴۲/۱۰)

"جس بات میں بھی تمہارے اندر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کو حل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ (کی کتاب) سے اس کا حکم لے لیا کرو۔ تمہارا یہ اللہ ہی میرا بھی رب ہے میں تو ہمیشہ ہر معاملہ میں اسی اللہ (اس کی کتاب محکم) پر ہی توکل اور بھروسہ کیا کرتا ہوں اور ہمیشہ ہر معاملہ میں صرف اسی کی طرف (اس کتاب عزیز کی طرف) رجوع کیا کرتا ہوں۔۔۔ (لہٰذا تم پر بھی فرض ہے کہ ہر اختلاف کا حل تلاش کرنے کے لئے اللہ (اس کی کتاب) پر ہی توکل کیا کرو)۔"

اور پھر آپؐ نے ببانگِ دہل یہ اعلان فرما دیا کہ

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝ (۵/۴۴)

هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ (۵/۴۵)

هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ (۵/۴۷)

"تم میں سے جو لوگ اللہ کے نازل کردہ (حکم اور قانون یعنی قرآن کریم) کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے تو ایسے ہی واقعتہً کافر، ظالم اور فاسق ہوں گے۔"

جب تک یہ امتِ مسلمہ اپنے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے فرمان پر عمل پیرا رہی اور قرآن ہی سے یہ اپنے تمام مسائل کا حل پوچھتی رہی اور اس کے مطابق ہی عمل کرتی رہی، تو یہ قوم دنیا جہان میں الاعلون (سب سے بلند و بالا، برتر اور اعلیٰ) بن کر رہی۔ مگر جب یہ قوم شیطان صفت انسانوں کے ہتھے چڑھ گئی اور ان شیاطین نے قرآن کریم کو ان سے اوجھل کر دیا اور قرآن کے بدلے میں خود ساختہ احکام و قوانین کا ان کو پابند بنا دیا، تو اس قوم کا اقبال، رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال رخصت ہوا اور یہ قوم دنیا کی ذلیل ترین قوم بن کے رہ گئی۔

○

اب کہنے کو یہ قوم تعداد کے لحاظ سے ایک ارب سے بھی زیادہ ہے۔ اس کے اندر مذہب کا چرچا بھی بڑا ہے۔ بڑے بڑے مولوی اور عالم موجود ہیں جو دن رات اس قوم کو مذہب کی تعلیم و تربیت دیتے رہتے ہیں۔ بڑی بڑی عظیم الشان مساجد مسلسل تعمیر ہو رہی ہیں، مشہور زمانہ خانقاہیں روئے زمین کو رونق بخشے ہوئے ہیں۔ مذہب کے نام پر بڑے بڑے

مدارس اور یونیورسٹیاں قائم ہیں جہاں سے بڑے بڑے عالم و فاضل دستارِ فضیلت سر پہ باندھے ہر سال برآمد ہوتے رہتے ہیں مگر مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ جو بھی اٹھتا ہے اس قوم کے کسی حصّہ کو دبوچ لیتا ہے اور ذلیل سے ذلیل سلوک ان سے کیا جاتا ہے اور یہ قوم یا اس کے کرتا دھرتا محض روپیٹ کر اور شور و غوغا کر کے رہ جاتے ہیں۔

کشمیر کے مسلمانوں پر، فلسطین کے مسلمانوں پر اور بوسنیا کے مسلمانوں پر جو مظالم فی زمانہ ڈھائے جا رہے ہیں ان کا کوئی مداوا اس قوم کے پاس ہے؟ بالکل نہیں۔ اب تو صورتِ حال یہ نظر آتی ہے کہ مسلمان قوم کی اس ابتری اور بدحالی میں روز بروز اضافہ ہوتا جائے گا۔ اصلاحِ احوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ وہ قوم جو دنیا میں فوجی قوت کے لحاظ سے ــــ (SUPER POWER) اعلیٰ درجہ کی قوت تھی آج غیر مسلم قوموں سے جنگی ہتھیار اور اسلحہ کی خیرات کے طور پر بھیک مانگ رہی ہے اور کفار بڑے مزے لے لے کر ان کو زچ کر رہے ہیں۔ کچھ اسلحہ دینے کا وعدہ ہوتا ہے پھر مکر جاتے ہیں۔ کبھی رحم آئے تو بھیک کے چند ٹکڑے اس قوم کی جھولی اور کشکول میں ڈال دیتے ہیں ورنہ صاف فرما دیا جاتا ہے کہ جاؤ ہوا کھاؤ اور اس قوم کو تو اب صاف ہوا بھی کھانے کو نہیں ملتی۔

مالی حالت ان کی دگرگوں، جسمانی طور سے یہ مریض، ذہنی لحاظ سے یہ کم عقل۔ مگر ان کے رہبرانِ عظام (مذہبی اور سیاسی لیڈر) ان کو طفل تسلیاں دیئے چلے جا رہے ہیں کہ اوہ! ہم مسلمان ہیں۔ ہماری تاریخ بڑی تابناک ہے۔ ہمارے آباء و اجداد بڑی سطوت و قوت اور شان و شوکت کے مالک تھے۔ بس ذرا ہم سے چوک ہو گئی کہ ہم مذہب سے کچھ ہٹ گئے۔ اگر ہم مذہب کو دوبارہ بحال کر لیں تو پھر تمام دنیا کی جہانداری ہمارے ہی پاس ہو گی۔ تو اب اس قوم کا علاج گویا بحالیٔ مذہب میں مضمر ہے اور مذہب ہے کیا اور یہ بحال کرے گا کون۔ مذہب وہ ہے جو فرمودۂ مولوی ہے اس کو بحال بھی مولوی کریگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور مولوی کون ہے۔

مسلمانوں کے بے شمار خود ساختہ فرقوں میں سے ہر فرقہ کا سرپرست مولوی ہے۔ ایک فرقے کا مولوی دوسرے فرقے کے مولوی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ رات دن مسجد و منبر سے ہر فرقے کا مولوی دوسرے فرقے کے مولوی کو کافر اور بے دین قرار دینے پر سارا زور صرف کر رہا ہے۔ مسلمان قوم جو کہ اکثر جاہل اور بے علم ہے اس کو یہ مولوی لوگ مذہب کے نام پر بہکا کر مشتعل کر کے فساد بپا کراتے رہتے ہیں۔ بس اسی میں ان کی عظمت اور کامیابی پوشیدہ ہے۔

کاش کہ کوئی اللہ کا بندہ مسلمانوں کو یہ بتائے کہ تمہارا یہ حشر محض اس وجہ سے ہوا ہے کہ تم لوگوں نے قرآن کو مہجور بنا دیا ہے۔ قیامت کے روز اللہ کے حضور جناب محمد رسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس مجرم قوم کے خلاف ایک استغاثہ دائر فرمائیں گے کہ

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ (۲۵/۳۰)

جناب رسول اللہ بارگاہِ ربّ العزت میں درخواست کریں گے۔ اے میرے رب میری اس

(قوم) نے اس قرآن کو مہجور بنا دیا تھا۔

مولوی حضرات اس آیۂ کریمہ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں ..... "میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا"

مہجور کا معنی کیا جاتا ہے "چھوڑ رکھا تھا"۔ یہ ایسا ترجمہ ہے کہ جس سے پڑھنے والے کو کوئی کھٹکا تک نہیں ہوتا اور جو حضرات تفسیر میں وضاحت فرماتے ہیں وہ بھی اس قدر کہ چھوڑ دینے کی کئی صورتیں ہیں۔

(i) اس کو نہ ماننا (ii) اس پر ایمان نہ لانا (iii) اس میں غور نہ کرنا۔ اس کو سوچ سمجھ کر نہ پڑھنا (iv) اس کے اوامر کو بجا نہ لانا (v) اس کے نواہی سے اجتناب نہ کرنا (vi) قرآن کی پروا نہ کر کے دوسری چیزوں جیسے بیہودہ ناولوں اور دیوانوں، لغو باتوں، کھیل تماشوں، راگ و رنگ میں مصروف ہونا۔

افسوس ہے کہ آجکل کے مسلمان قرآن کی طرف سے نہایت غافل ہو رہے ہیں۔ اس کے پڑھنے سوچنے سمجھنے اور ہدایات سے مستفید ہونے کی طرف توجہ نہیں کرتے اور یہ کھلم کھلا ترکِ قرآنِ مجید ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس طرف راغب اور اس کی تلاوت میں شاغل ہونے کی توفیق بخشے تاکہ وہ اس پر عمل کریں اور ان کو فلاح کونین حاصل ہو (تفسیر جناب مولانا فتح محمد جالندھری صاحب مرحوم و مغفور)۔

جناب مولانا مرحوم کو تسلیم ہے کہ مسلمان قوم قرآن کو مہجور کر کے فلاحِ کونین سے محروم ہو چکی ہے مگر اس زوردار تفسیر کے باوصف کیا پڑھنے والوں کے دل میں یہ بات واقعی آجاتی ہے کہ قرآن کو مہجور کرنے سے مراد کیا ہے۔

اگر لفظ مہجور کا وہ معنی جو عرب لوگ کرتے ہیں قارئین کو سمجھا دیا جائے تو شاید پھر اس کی تفسیر کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے اور پڑھنے والا خود سمجھ لے کہ ہم نے قرآن کو جو مہجور بنا رکھا ہے تو اس کا مطلب کیا ہے ـــــ ایسا جانور۔ اونٹ۔ گائے۔ گھوڑا۔ گدھا وغیرہ جو بہت خودسر ہو اور ادھر اُدھر بھاگ جاتا ہو اور مالک کو نہایت پریشان کرتا ہو تو مالک اس کا علاج یہ کرتا ہے کہ اس کو رسّی وغیرہ سے کسی حد تک جکڑ دیتا ہے۔ مثلاً اونٹ کا مالک اس کا گھٹنا باندھ دیتا ہے وغیرہ۔ اب یہ جانور آزادی سے اپنی مرضی کے مطابق اپنی جولانیاں نہیں دکھا سکتا۔ اس کا میدانِ عمل محدود کر دیا جاتا ہے اور وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ صرف اس حد تک اور اس وقت تک حرکت کر سکے جو اس کے مالک کو منظور ہو۔

قرآن کے ساتھ بھی اس مجرم قوم نے بالکل یہی سلوک کیا ہے۔ اس کو اپنی تیار کردہ رسّیوں میں جکڑ دیا ہے کہ اب قرآن آزادی سے اپنے احکامات و ہدایات جاری ہی نہیں کر سکتا۔

کہیں اس کو غلط اور بے اثر ترجموں کی رسّیوں سے جکڑ دیا گیا ہے۔ کہیں اس کو خود ساختہ تفاسیر اور قصے کہانیوں سے جکڑ دیا ہے۔ کہیں اس کو روایات اور اسرائیلیات کی جکڑ بندیوں میں محدود کر دیا گیا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ جب کوئی شخص فی زمانہ قرآن کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے سامنے وہ قرآن ہوتا ہے جو ان مخلف قسم کی جکڑ بندیوں میں گرفتار ہے۔ آزاد اور خالص قرآن قاری کو میسر ہی نہیں آتا۔ وہ بے چارہ وہی رنگ دیتا ہے جو ماہر کاریگروں نے قرآن کی خالص اور

حقیقی تعلیم پر چڑھا رکھا ہوتا ہے۔ اس لئے ناممکن ہے کہ ایسا قاری قرآنِ کریم سے صحیح راہ نمائی حاصل کر سکے۔

اور یہ ساری جکڑ بندیاں قرآنِ کریم پر ماشاء اللہ مولوی کی عائد کردہ ہیں۔ ہر آیت سے متعلق خود ساختہ قصے اور افسانے تراش لئے گئے ہیں اور قاری کا دماغ ماؤف کر کے اس کو مجبور کر دیا جاتا ہے کہ وہ مولوی صاحب کی پیش کردہ توضیح و توجیہہ اور تفسیر و بیان کو بالکل حق و سچ مان کر قرآن کو سمجھے اور اس کے مطابق عمل کرے، تو اس صورت میں قرآن کے قاری کو کیا حاصل ہوگا؟ وہ محض قرآنِ کریم کی تلاوت ہی کرتا رہے گا یا پھر اگر پڑھنا بھی نہ آتا ہو۔ جیسا کہ اکثر لوگوں کو نہیں آتا تو مولوی صاحب کے فرمان کے مطابق قرآن کے الفاظ پر صرف انگلیاں پھیر کر ہی ثواب کماتا رہے گا اور مطمئن ہوگا کہ قرآن کی تلاوت کا حق ادا کر دیا گیا اور قرآن کو نہ میں نے مہجور بنایا اور نہ میرے مولوی حضرات نے۔

سوچنے کی بات ہے کہ کیا ہم لوگ (خصوصاً ہمارے مولوی حضرات) قرآن کو مہجور بنا کر مجرم نہیں بن چکے۔

ہائے افسوس صد افسوس کہ ہم مسلم قوم سے مجرم قوم بن چکے ہیں..... اور ہم مسلسل اس جرم کا اعادہ کرتے جا رہے ہیں، تو اللہ رب العزت والعظمت کی بارگاہ میں ہمارا کیا مقام ہو سکتا ہے۔ ایک مجرم کے ساتھ کیا سلوک ہو سکتا ہے ہمارے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ ہمارے جرم کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ اللہ نے ابھی ہم کو مہلت دے رکھی ہے کہ شاید ہم توبہ کر لیں اور اپنے اس بھیانک، خطرناک اور شر انگیز جرم سے باز آجائیں ورنہ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ (۱۰۱/۸)۔ اور اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ (۴۳/۷۴)۔

آفتاب عروج

"جاگو ہوا سویرا"

ساجد بھائی! ــــ سدا سلامت رہو۔

مجلہ طلوعِ اسلام میں میرے نام تمہارا کھلا خط نظر سے گذرا ؎

اچھا ہوا کہ بات بڑی سرسری ہوئی
تھی ورنہ جانے کب سے طبیعت بھری ہوئی

محترم باباجیؒ کے سلیم بیٹوں اور طاہرہ بیٹیوں پر تمہاری طرف سے عائد کردہ سستی، کاہلی اور احسان فراموشی کی فردِ جرم سے مجھے اتفاق نہیں۔ میں پہلے بھی تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ

ایک ہی رُخ نہ دیکھ گلشن کا
کچھ خزاں ہے، تو کچھ بہار بھی ہے

تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محترم پرویزؒ صاحب کے علمی ذخائر کی حفاظت، طباعت اور اشاعت کا کام بورڈ آف ٹرسٹیز کے زیرِ اہتمام، طلوعِ اسلام ٹرسٹ سرانجام دے رہا ہے جبکہ خدا کی کتابِ عظیم کی شمع تابندہ کی کرنوں سے زمانے کی شبِ تاریک روشن کرنے کی ذمہ داری، ادارہ کی سرکردگی میں محترم باباجیؒ کے انہی سلیم بیٹوں اور طاہرہ بیٹیوں نے سنبھال رکھی ہے ــــ یہ روشنی اگر تمہاری توقعات کے مطابق نہیں پھیل رہی تو کمی روشنی کی ہے نہ قصور اس اس متاعِ حسنہ کو پھیلانے والوں کا ــ تمہاری ساری منطق مفروضوں پر قائم ہے۔ ذرا باہر نکل کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو کہ

سمندر روشنی کا موجزن ہے اور ساحل پر
ہزاروں لوگ بیٹھے ہیں، مگر اندھے ہیں بیچارے

اور تم خود ہی تو کہا کرتے ہو کہ مفکر اپنے وقت سے بہت پہلے پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا پرویزؒ کو سمجھنا اتنا آسان بھی نہیں۔ تمہاری بے تابیٔ تمنا اپنی جگہ لیکن ؎

ابھی معصوم بچہ ہے۔ دماغِ آدمی، جس کو
جوانی تک رسائی میں ہزاروں سال گذریں گے

ساتھیوں کی خامشی کا رونا رونے کی بجائے بہتر ہوگا کہ اپنے ایک ایک ساتھی کے پاس جاؤ اور ؎

سُنا کے بانگِ درا جگا دو ہر اک مسافر کو کارواں کے
یہاں انسان سوئے ہیں یہ پتھروں کا نگر نہیں ہے

اور جو کام بھی کرنا ہے اس کے لئے پہلے سے مربوط پلاننگ کر لو۔ یہ اس لئے کہ

دیوار اٹھاتے ہو تو مضبوط اٹھاؤ
ایسا نہ ہو ڈر جاؤ کبھی اپنے ہی گھر سے

مجھے خوشی ہے کہ اپنے خط میں تم نے مجھے مالی ایثار کا مشورہ بھی دیا ہے۔ حالانکہ ؎

میں تو یہ سمجھتا ہوں، کسی اور کا حق ہے
جو کچھ ہے میرے گھر میں، ضرورت سے زیادہ

پرچے کی گھر گھر ترسیل کا جو پروگرام تم نے بنایا ہے اس میں لغزش نہیں آنی چاہیئے اور سُن رکھو ؎

اگرچہ ہر سمت ہیں اندھیرے خدا سے مایوس نہیں ہم
وہ چاہے جتنی طویل تر ہو کوئی بھی شب بے سحر نہیں ہے

اللہ حافظ

تمہارا بھائی

سلیم (سینئر)

نقد و نظر

نام کتابچہ : مسئلہ کشمیر اور فتنۂ قادیانیت مصنف : محمد طاہر رزاقی
ضخامت : ۳۲ صفحات قیمت : دو روپے کے ٹکٹ بھجوا کر کتابچہ مفت حاصل کیا جا سکتا ہے۔
ملنے کا پتہ : عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوۃ۔ ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ۔

○

مسئلہ کشمیر کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فاضل مصنف رقمطراز ہیں۔

"کشمیر ایشیا کے قلب میں واقع ہے۔ اس کا کُل رقبہ چھیاسی ہزار مربع میل ہے۔ کشمیر کے اردگرد چار ممالک چین، افغانستان، پاکستان اور بھارت واقع ہیں جب کہ کشمیر اور سابق سوویت یونین کے درمیان افغانستان کی ایک تنگ پٹی "واخان" حائل ہے۔ کشمیر کی کل آبادی ایک کروڑ بیس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اس وقت کشمیر کا ۶۲ فیصد حصہ بھارت کے غاصبانہ قبضہ میں ہے۔ جس کی آبادی تقریباً ستر لاکھ ہے جبکہ آزاد کشمیر کی آبادی ایک لاکھ پچاس ہزار کے قریب ہے۔ اس وقت دنیا میں ۱۶۰ آزاد اور خود مختار مملکتیں ہیں۔ اگر ان ممالک سے کشمیر کا موازنہ کیا جائے تو رقبہ کے اعتبار سے کشمیر دنیا کے ۶۸ ممالک سے بڑا ہے اور اگر آبادی کے لحاظ سے موازنہ کیا جائے تو دنیا کے ۹۰ ممالک سے بڑا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے کشمیر کی سرحدوں کا زیادہ علاقہ بھارت کی نسبت پاکستان سے بہت زیادہ ملا ہوا ہے۔ کشمیر کی سات سو میل لمبی سرحد پاکستان سے ملی ہوئی ہے۔ آزادی سے قبل ریاست کی سڑکیں اور ریلوے کے مواصلات پاکستان سے آ ملتے تھے اور کشمیری مصنوعات کی سب سے بڑی منڈی راولپنڈی تھا۔ دفاعی اعتبار سے ریاست جموں و کشمیر کی پہاڑیاں وطن عزیز پاکستان کے لئے دفاعی حصار کی حیثیت رکھتی ہیں اور پاکستان میں بہنے والے سندھ، جہلم اور چناب جیسے دریاؤں کا منبع کشمیر ہی ہے۔

لیکن آج اس ارضی جنت میں بھارت نے ظلم و بربریت کا محشر بپا کر رکھا ہے۔ یہ حسین وادی آگ و خون سے بھری پڑی ہے۔ کشمیری مسلمانوں کے جلے ہوئے گھروں کا دھواں اور ان کی چیخیں دنیا کے چاروں کونوں تک پھیل چکی ہیں۔ معصوم بچوں کی موت کی ہچکیاں عالمی ضمیر پر دستک دے رہی ہیں۔ گل پوش وادیوں میں شہیدوں کے لاشے بکھرے پڑے ہیں۔ چشمے خون اگل رہے ہیں۔ دریاؤں سے انسانی اعضاء برآمد ہو رہے ہیں۔ جہاں نسیم سحر کے ٹھنڈے جھونکے روح کو ایک نئی تازگی بخشا کرتے تھے، وہاں آنسو گیس کا راج ہے۔ جن فضاؤں میں ہوائیں سیٹیاں بجاتی تھیں، وہاں گولیوں کی تڑتڑ کی صدائیں ہیں۔ جہاں گل و بلبل محفل سجاتے تھے، وہاں کرفیو کی چڑیل پنجے جمائے بیٹھی ہے۔ بھارتی فوجی درندے راتوں کو مسلمانوں کے گھروں پر ہلہ بولتے ہیں اور عفت مآب عورتوں کی اجتماعی عصمت دری کر کے اپنے پاپی باپ راجہ داہر کی روح کو خوش کرتے ہیں۔ فوجی وردیوں میں ملبوس یہ مہذب درندے مسلمانوں کے گھروں پر دھاوا بولتے ہیں اور قیمتی سامان شیرِ مادر سمجھ کر چاٹ جاتے ہیں اور گھر کو نذرِ آتش کر کے کوئلہ بنا دیتے ہیں۔ مریض اور زخمی ادویات کی عدم موجودگی کی وجہ سے کراہ کراہ کر دم توڑ رہے ہیں اور ان کے کراہنے کی صدائیں انسانی حقوق کے عالمی چمپینوں کے بے سماعت اور بند کانوں کو کھولنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ بچوں سے بدفعلیاں ہو رہی ہیں۔ خمیدہ کمر بوڑھوں پر سفاکانہ تشدد ہو رہا ہے۔ عقوبت خانوں میں حریت پسندوں کے اعضاء کاٹے جا رہے ہیں۔ آزادی کے متوالوں کو الٹا کر نیچے آگ کے الاؤ روشن کر کے ان کی چربی پگھلنے کے مناظر پر ابلیسی قہقہے لگائے جا رہے ہیں۔ اسلام سے محبت کے جرم میں بجلی کے کرنٹ لگا لگا کر تڑپا تڑپا کر مارا جا رہا ہے۔ پاکستان سے دوستی کی پاداش میں دانت توڑے اور کھال ادھیڑی جا رہی ہے۔ غلامی سے نفرت کے جرم میں جنسی طور پر معذور بنایا جا رہا ہے اور جسم میں گہرا زخم بنا کر اس میں مرچیں بھری جا رہی ہیں۔ شرم گاہوں سے موچنے سے بال اکھیڑے جا رہے ہیں۔ داڑھی سے بھاری پتھر باندھ کر لٹکائے جا رہے ہیں۔ زوردار جھٹکوں سے ناخن اکھیڑے جا رہے ہیں۔ منہ میں کپڑا ٹھونس کر ناک کو پلاس سے بند کیا جا رہا ہے۔ سگریٹوں سے جسموں کو داغا جا رہا ہے۔ گرفتار حریت پسندوں سے ایک دوسرے کے منہ میں پیشاب کروایا جا رہا ہے۔ ہسپتالوں میں حریت پسندوں کے جسموں سے ایک ایک گردہ نکال کر ناپاک ہندو مریضوں کو لگایا جا رہا ہے۔ لیکن ظلم و بربریت کے اس خونی طوفان کے سامنے کشمیری مسلمان چٹان کی طرح کھڑا ہے۔ وہ میدانِ جہاد میں اپنے خونِ ناب

سے ایمانی جرأت و ہمت کی ایک اچھوتی تاریخ رقم کر رہا ہے۔ اس نے سفاک ہندو کی غلامی کی بھاری زنجیریں توڑنے کا عزم مصمم کر لیا ہے۔ اس نے ہتھیار اٹھا لئے ہیں۔ اس کے قدموں سے قرونِ اُولیٰ کے مجاہدین کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدا سنائی دیتی ہے۔ اس کے لبوں پر نعرۂ تکبیر کا ترانہ ہے۔ اس کے دل میں شہادت کی تمنا مچل رہی ہے۔ اس کی نگاہیں اپنے اللہ کی نصرت پر لگی ہوئی ہیں اور وہ بھارتی درندوں کو للکار للکار کے کہہ رہا ہے۔

دبا سکو تو صدا دبا دو، بجھا سکو تو دیا بجھا دو
صدا دبے گی تو حشر ہوگا دیا بجھے گا تو سحر ہوگی

اور گویا شہادت کے جام پینے والا ہر کشمیری مسلمان بہشت بریں میں جانے سے قبل اپنے پیچھے آنے والے ساتھیوں کو یہ پیغام دیتا جا رہا ہے۔

ستم کی رات سحر میں بدلنے والی ہے
فصیلِ دار پہ دھرتے چلو سروں کے چراغ"

کشمیری مسلمانوں کو بھارتی بھیڑیوں کے نوکیلے دانتوں اور خونی پنجوں کے سپرد کرنے میں صیہونی اور قادیانی سازشوں کی نشاندہی کرنے کے بعد مصنف نے مسلمانوں سے دردمندانہ اپیل کی ہے جو انہی کے الفاظ میں درج کی جا رہی ہے۔

"آج ہمارے کشمیری مسلمان بھائی سربلندیٔ اسلام کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ وہ کائنات کے بدترین مشرک ہندو سے برسرِ پیکار ہیں۔ وہ گھر جلوا کر، بچے کٹوا کر اور عصمتیں لٹوا کر گلی گلی علمِ جہاد بلند کر رہے ہیں۔ وہ انتہائی نامساعد اور کٹھن حالات میں گھرے ہوئے ہیں۔

دیکھو! ظالم ہندو کی مدد کے لئے یہود و نصاریٰ اور قادیانی پہنچ گئے ہیں لیکن ہم لبوں پر مہرِ سکوت لگائے ساحل کے تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ اے آغوشِ دنیا میں مست مسلمان! کشمیری مسلمان تیری راہ تک رہا ہے۔ اس کے کان تیرے قدموں کی آہٹ سننے کے لئے بیتاب ہیں۔ وہ تجھے مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ اس طرح جس طرح راجہ داہر کے لٹیروں میں گھری ہوئی مسلمان عورت نے حجاج بن یوسف کو پکارا تھا۔ دیکھو قرآن ہم دنیا مستوں کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر کہہ رہا ہے۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خدا کی راہ میں ان مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے نہیں لڑتے جنہیں کمزور پا کر دبا لیا گیا ہے اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ خدایا ہمیں اس بستی سے نکال جس کے کارفرما ظالم ہیں۔" (سورۃ النساء)

دیکھو صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم ہماری توجہ ان مظلوم و بے کس مسلمانوں کی طرف دلاتے ہوئے اور اس کارِ عظیم کا اجر و انعام بھی بتاتے ہوئے فرما رہے ہیں۔

"جس نے کسی مجاہد کو سامان دلا دیا اور روپیہ سے اس کی امداد کی یا اس کے بیوی بچے کی اس کے پیچھے پوری پوری خدمت کی تو اس شخص کو غازی کے برابر ثواب ملتا ہے اور غازی کے ثواب میں سے کچھ کمی نہیں ہوتی۔" (صحاح)

اگر ہم نے قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا پر گوش ہوش نہ رکھے اور دنیا کی لذتوں کے اسیر رہے تو پھر خوبصورت گھروں میں بیٹھ کر ہمیں اللہ کے عذاب کا انتظار کرنا چاہیئے۔

"جو مسلمان اپنی زندگی میں نہ کبھی اللہ کی راہ میں لڑا۔ نہ کسی مجاہد کے لئے سامان جہاد مہیا کیا اور نہ کسی مجاہد کے اہل و عیال میں خیر خواہی کے ساتھ مقیم رہا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو قیامت سے پہلے ایک عذاب و مصیبت میں مبتلا کریں گے۔" (ابوداؤد)۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

نام کتاب : قانونِ دعوت مصنف : جاوید احمد غامدی

ضخامت : ۹۴ صفحات قیمت : اعلیٰ ایڈیشن ۱۰۰/- روپے۔ ارزاں ایڈیشن ۳۰/- روپے

تقسیم کنندگان : دارالتذکیر ۹ حمید سنٹر رائل پارک، لاہور۔

دین، فاضل مصنف کے نزدیک تین چیزوں کا مجموعہ ہے اور وہ ہیں، قانون، حکمت اور تزکیۂ نفس۔ دین کے ان اجزاء کی تفصیل مصنف کی کتاب "میزان" میں درج ہے جو ہماری نظر سے نہیں گذری۔ کتاب زیرِ نظر اسی کتاب کا ایک مضمون ہے جسے مصنف نے معارفِ اسلامی کی تشکیلِ جدید کے ایک باب کی حیثیت سے پیش کیا ہے جس میں مبلغین کے لئے قرآن و سنت کی رو سے ہدایات درج ہیں۔

قرآنی آیات اور احادیثِ نبویؐ سے مزین، ۹۴ صفحات پر محیط اس کتاب میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ مختصراً یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اس زمین پر ایمان و عملِ صالح کی صراطِ مستقیم سے واقف ہو اس پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کو بھی یہی راہ اختیار کرنے کی نصیحت کرے۔ دعوت کا یہ کام ہر شخص کے لئے ہے۔ ہر جگہ اور ہر حال میں واجب ہے۔ ہم عارف ہوں یا عامی، ہمارا قیام کسی بستی میں ہو یا جنگل میں، ہمیں یہ کام بہرحال کرنا ہوگا۔ ہر شخص اپنا دائرہ اختیار استعمال کرے۔ اہلِ علم یہ فریضہ اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق سرانجام دیں اور اربابِ اقتدار اپنے اختیار و قوت کے ساتھ تاآنکہ تمام مسلمان بحیثیت اُمت اس فرض کی ادائیگی میں شامل ہو جائیں۔ یہاں پہنچ کر فاضل مصنف محسوس کرتے ہیں کہ تبلیغِ دین کے اس پروگرام میں مذہبی پیشوائیت کا تشخص کسی طور بھی نمایاں نہیں ہو پایا۔ چنانچہ یہاں دعوت کی ایک اور صورت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

> "یہ وہ چیز نہیں جس کی توقع ہر مسلمان سے کی جائے۔ اس اُمت میں وہ بھی ہیں جن کو اللہ نے غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں سے نوازا ہے اور وہ بھی، جن کے لئے اپنے روزمرہ کاموں کو عقل و بصیرت کے ساتھ انجام دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کام کے لئے تمام مسلمانوں کو نہیں بلکہ ان کے ہر گروہ میں سے چند لوگوں کو ہی اس کام کے لئے نکلنا چاہیے۔"

ان لوگوں کے لئے راہِ عمل تجویز کرتے ہوئے مصنف یہ بات لازمی قرار دیتے ہیں کہ داعیٔ حق جس سے مخاطب ہو اس کی ذہنی سطح اور نفسیاتی کیفیت ملحوظ رکھے۔ اپنی رائے کو کبھی حتمی قرار نہ دے۔ برسرِ اقتدار دینی جماعت سے رابطہ استوار رکھے اور اپنی دعوت کسی حال میں بھی منقطع نہ ہونے دے۔ جہاں تک جہاد بالسیف کا تعلق ہے، صاحبِ کتاب کے نزدیک اقتدار کے بغیر جہاد محض فساد ہے۔ حکمران کھلے کفر کا ارتکاب کریں تو ان کے خلاف خروج بے شک جائز ہے۔ داعیٔ حق کا کلام ہمیشہ اپنے مقصد سے جڑا ہوا، اپنے ہدف سے چمٹا ہوا اور اپنی منزل سے لگا ہوا ہونا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ داعیٔ حق کی شخصیت کسی معاشرے میں سیاسی اعتبار سے ایسی مؤثر ہو جائے کہ اس کے کسی اقدام کے نتیجہ میں ریاست کا اقتدار اس کو حاصل ہو جائے یا سیاستدانوں میں سے کوئی شخص اس دعوت کو قبول کر کے حکم و اقتدار کی منزل تک پہنچ جائے۔ لیکن بقول مصنف اس کے لئے شرط یہ ہے کہ دعوتِ حق کے علمبردار پوری استقامت سے اس منہاج پر گامزن رہیں جس کی وضاحت اس کتاب میں کی گئی ہے۔

رابطۂ باہمی

یومِ آزادی

(۱) بزمِ طلوعِ اسلام کراچی کے زیرِ اہتمام یومِ آزادی کی تقریب مقامی اخبارات کی نظر میں:

بزمِ طلوعِ اسلام کراچی کے زیرِ اہتمام سنو وائٹ کمپلیکس شارعِ فیصل کراچی میں "دو قومی نظریہ" کے عنوان سے اسکولوں کے طلبا و طالبات کے درمیان ایک تقریری مقابلہ منعقد کیا گیا۔ تقریب کی ابتدا قرآنِ مجید کی تلاوت و مفہوم سے کی گئی۔ تحریک کے دیرینہ کارکن افتخار نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا اور دو قومی نظریئے پر قرآنِ کریم کی روشنی میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ دو قومی نظریئے کے عنوان نے انہوں نے سرسیدؒ علامہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ اور ان کے دینی مشیر علامہ غلام احمد پرویزؒ کی دینی اور تحریکِ پاکستان کی خدمت کو اجاگر کیا اور ان کے جذبوں کو سراہا۔ خطبۂ استقبالیہ میں "طلوعِ اسلام" کا تفصیلی تعارف پیش کیا اور تحریکِ طلوعِ اسلام کے مقاصد کو قرآنِ کریم کی آیات کی روشنی میں بیان کیا۔ انہوں نے بتایا کہ بزمِ طلوعِ اسلام یا تحریکِ طلوعِ اسلام کسی قسم کی سیاسی یا فرقہ وارانہ مذہبی جماعت نہیں ہے اور نہ ہی اس کا مقصد غیر قرآنی عقائد کی تائید کرنا ہے۔ بلکہ امتِ مسلمہ کے درمیان اختلافات کو ختم کرنا اور قرآنِ کریم کی جانب متوجہ و عمل کرانا ہی ہمارا مشن ہے۔ "طلوعِ اسلام" صرف اور صرف قرآن کی اتباعت اور اسلام کی اصل روح کو نمایاں اور قرآنی قوانین کے مطابق حکومت کے قیام کو اہمیت دیتا ہے۔ خطبۂ استقبالیہ کے بعد گرلز اسکولز کی تین طالبات نے کلامِ اقبالؒ طارق کی دعا بڑے خوبصورت انداز میں پیش کی۔ مہمانوں نے ان کے اندازِ کلام کو بے حد پسند کیا اور سراہا۔ کلامِ اقبالؒ کے بعد اسکولوں کے طلبا و طالبات نے دو قومی نظریہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے پرجوش انداز میں "دو قومی نظریہ" اور قیامِ پاکستان کی ضرورت پر زور دیا اور ہندو اور مسلم کو الگ الگ جداگانہ قوم بتایا۔ مہمانوں نے طلبا و طالبات کے جوشِ خطابت اور جذبے پر دل کھول کر داد دی اور انہیں سراہا۔ کمپیئرنگ کے فرائض پروگرام کے منتظم ڈاکٹر محمد اسلم نوید نے انجام دیئے۔ انہوں نے بھی "دو قومی نظریئے" پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور قرآنِ کریم کی روشنی میں مسلم اور غیر مسلم نظریہ کی تشریح و وضاحت کی۔ انہوں نے بتایا کہ دو قومی نظریہ نوحؑ سے تھا جسے ہر نبی نے اللہ تعالیٰ کی دی گئی "وحی" قرآنِ کریم کے مطابق قائم کرنے کی کوشش کی۔

تقریر کے بعد جج صاحبان نتائج کی تیاری میں مصروف ہو گئے جس کے درمیان بزم کے نمائندے خالد گل نے ٹی وی کے مشہور کمپیئر طارق عزیز کا اسپیشل کیسٹ بذریعہ وڈیو مہمانوں کو دکھایا جسے مہمانوں نے کافی پسند کیا اور محظوظ ہوئے۔

طارق عزیز نے ادارہ طلوعِ اسلام کی سادگی اور اسلام شعاری کی تعریف کی اور سراہا۔ انہوں نے غلام احمد پرویزؒ کی دینی اور ملی خدمات کو قابلِ تحسین قرار دیا اور ان کی تصانیف و جذبے کی تعریف کی۔ "پیغامِ طارق" کے بعد طلبا و طالبات میں انعامات و تحفے تقسیم کئے گئے۔ پہلا انعام ظہیر پبلک اسکول نارتھ ناظم آباد کی ذہین طالبہ شاذیہ تاجور، دوسرا انعام فہد فیضان اور تیسرا انعام زاہد کو دیا گیا، دونوں کا تعلق لارنس ٹیکنیکل ہائی اسکول سے تھا۔ مہمانانِ خصوصی بیگم بلند اختر اور اعظم خواجہ نے انعامات تقسیم کئے، انہوں نے طلبا و طالبات کے پرجوش جذبے اور اندازِ خطابت کو پسند کیا اور اسلامی یکجہتی پر زور دیا۔

اختتامی تقریر میں بزم کراچی کے نمائندے خالد گل نے مہمانوں کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور تقریب کے انتظام پر بزم کے اراکین و منتظمین کی کاوشوں کو سراہا اور طلبا و طالبات کے دینی و ملی جذبے کی تعریف کی اور ان کی تعلیمی سرگرمیوں پر زور دیا اور لودھی اسکاؤٹ کا شکریہ ادا کیا۔ آخر میں مہمانانِ گرامی نے ٹھنڈے مشروبات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ادارہ کی تصانیف دیکھیں۔

(۲) یومِ دفاع کے موقع پر بھی کراچی بزم نے تقریری مقابلے سے آگے بڑھتے ہوئے "جنگ کیوں اور کیسے" کے عنوان سے تقریری مقابلہ منعقد کیا۔ جس کی رپورٹ کا تادمِ تحریر انتظار ہے۔

(۳) یومِ آزادی، یومِ دفاع اور عید میلاد النبی کے سلسلہ میں بزمِ لاہور نے بانیٔ تحریک علامہ غلام احمد پرویزؒ کے خصوصی درس پیش کئے جن سے تجدیدِ یادداشت کے ساتھ ساتھ ان مشاہیر کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا موقع ملا جن کے احسانوں کی بدولت ہم یہ تقاریب منانے کے قابل ہوئے۔

(۴) اسی طرح کی ایک تقریب بزمِ طلوعِ اسلام جہلم نے بھی ترتیب دی جس میں قرآنی اسرار و رموز میں حضرت علامہ اقبالؒ سے فیض یافتہ اور پاکستان کو قرآنی نظام کے تحت پھلتا پھولتا دیکھنے کے داعی، بانیٔ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کی صبر آزما کوششوں میں ان کے شب و روز کے ساتھی، علامہ غلام احمد پرویزؒ کی تقریر بذریعہ وڈیو کیسٹ سنانے کا اہتمام کیا

ادارہ بزم کے جواں ہمت نمائندگان جناب محمد خالد گل، محترم محمد عمر دراز اور جناب قمر پرویز صاحب کو ان کی اس قابلِ رشک کارکردگی پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے دوسری بزموں سے بھی توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنے ہاں ایسے اہم دنوں پر اس قسم کی تقاریب منعقد کریں۔

مکتوبِ ناروے

- کیا حکومت لوگوں کو جبراً شیعہ بنانے کی پالیسی پر عمل کر رہی ہے؟؟؟
- پاکستان کے اُن گمنام مجاہدین کی داستان جن پر ظلم کی انتہا ہو گئی۔
- حکومت کی غلط پالیسی سے زرِ مبادلہ کی ترسیل میں ۱۰ ارب روپے کی کمی۔

○

"اگر آبادی کو کم نہ کیا گیا یا وسائل کو نہ بڑھایا گیا تو دس سال کے اندر اندر پاکستان میں ایسا دور آجائے گا کہ انسان انسان کو کھانا شروع کر دے گا۔" یہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کے الفاظ ہیں جنہیں ۱۹۶۶ء میں بی۔ اے کی اکنامکس میں پڑھایا جاتا تھا۔ چند سال بعد غالباً ۱۹۶۸ء میں انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے کانووکیشن حال میں تقسیم اسناد کے موقع پر لڑکوں نے بطورِ احتجاج اپنی ڈگریاں پھاڑ ڈالیں اور مطالبہ کیا کہ ہمیں ڈگریاں نہیں نوکریاں فراہم کی جائیں۔ یہی وہ حالات تھے جن کی وجہ سے ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے روٹی، کپڑے اور مکان کا نعرہ بلند کیا جو اس قدر مقبول ہوا کہ قوم نے انہیں پاکستان کی وزارتِ عظمیٰ جیسی عزت سے سرفراز کیا۔ چنانچہ ان کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ قوم سے کئے گئے وعدے کی تکمیل کے لئے عملی اقدامات کریں۔ ظاہر ہے ان حالات میں ہر باشعور انسان وسائل بڑھانے کی فکر کرے گا۔ یہی وہ حقائق و مسائل تھے جن کے پیشِ نظر بھٹو صاحب نے پاسپورٹ پالیسی کو نرم کیا تاکہ لوگ ملکی وسائل پر بوجھ بننے کی بجائے بیرونِ ملک ہجرت کریں اور دنیا میں بکھرے ہوئے وسائل سے خود بھی استفادہ کریں نیز پاکستانی معیشت و تجارت کے لئے ممد و معاون بن سکیں۔ تاکہ ملک معاشی لحاظ سے مضبوط ہو اور اس طرح انسان کے انسان کو کھانے سے گھناؤنے جرم سے پاکستانی قوم محفوظ ہو سکے۔ ان کی اس پالیسی کو دوست دشمن سب نے سراہا اور اس طرح لاکھوں پاکستانی خاندانوں نے بیرونِ ملک روزگار حاصل کیا۔ وطنِ پاک کے ان گمنام مجاہدین پر اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں، عزیز و اقارب سے بچھڑتے وقت کیا گزری۔ بیرونِ ملک پاکستان کے ان سپوتوں کو کن کن مشکلات اور صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا۔ کس کس طرح ان کے سینے تعصب کے تیروں سے چھلنی کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں۔ انہیں کس قسم کے دل خراش مراحل سے گزرنا پڑا، یہ سب کہنے اور سننے کے لئے تو لوہے کا جگر چاہیئے۔

سکوت آموز طولِ داستانِ درد ہے ورنہ
زباں بھی ہے ہماری مُنہ میں اور تابِ سخن بھی ہے!

ان تمام مصائب کو ہم وطنوں نے نہ صرف یہ کہ ہمت اور حوصلے سے برداشت کیا بلکہ یورپ اور امریکہ میں ساجا تعمیر کیں، ہزاروں بے دین گھروں کو نورِ اسلام سے منور کیا، پاکستان کی تعمیر و ترقی میں وہ کردار ادا کیا کہ جب بھٹو صاحب نے فرمایا کہ ہم ایٹم بم ضرور بنائیں گے خواہ ہمیں گھاس کھا کر گزارہ کرنا پڑے، تو امریکن اور یورپین ذرائع ابلاغ چیخ اٹھے کہ بیرونِ ملک پاکستانی، پاکستان کے لئے زرِ مبادلہ کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ وقت گزرتا گیا ان محنت کشوں کی ریڑھ کی ہڈی ضرورت سے زیادہ مشقت کی وجہ سے کمزور پڑنے لگی، یہ بے روزگار ہونے لگے، بوڑھے ہونے لگے تو انہیں اپنے اور بچوں کے مستقبل کی فکر ستانے لگی اور کچھ لوگوں نے جہاں وہ آباد تھے محض چند ٹیکنیکی شکلات و ٹیکنیکی تحفظ کی خاطر وہاں کی شہریت اختیار کی جبکہ انہیں حکومت کے ذمہ دار حلقوں کی طرف سے یقین دہانی بھی کرائی جاتی رہی کہ ان کے پیدائشی حقوق کسی صورت میں متاثر نہیں ہوں گے۔ غلام مصطفےٰ جتوئی صاحب کی وزارت عظمیٰ تک ہمیں یہی سنایا جاتا رہا کہ پاکستانی جہاں بھی ہیں جیسے بھی ہیں، حکومت کی نظروں میں پاکستانی ہی رہیں گے۔ انہیں محبِ وطن پاکستانی سرمایہ قوم اور ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی قرار دیا جاتا تھا۔ سویڈن میں مقیم پاکستانی سفیر سید امیر علی شاہ صاحب کی نگاہِ بصیرت نے محسوس کیا کہ بھٹو صاحب جس مشن کو ادھورا چھوڑ گئے ہیں اگر اس کی تکمیل نہ کی گئی تو آنے والی نسلیں پاکستان سے لاتعلق ہو کر رہ جائیں گی جو ایک عظیم قومی المیہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے N . R . K ریڈیو پر اپنی تقریر میں فرمایا کہ وہ چاہتے ہیں کہ تارکینِ وطن کو گرین کارڈ کی قسم کا ایک کارڈ جاری کر دیا جائے جس کی حیثیت پاکستانی شہریت کے برابر ہو اور اس سلسلے میں تجاویز بھیجنے کی اپیل کی۔ جون ۹۲ء تک تارکینِ وطن کے غیر ملکی پاسپورٹوں پر حکومت کی طرف سے مندرجہ ذیل سٹیمپ لگائی جاتی تھی، نئے ویزا قوانین کی وجہ سے یہ سہولت ختم کر دی گئی ہے۔

EXEMPTED FROM VISA FOR ENTERING PAKISTAN AND POLICE REGISTERATION AS OF RAKISTAN ORIGIN.

حکومت کے اس حوصلہ افزا رویے سے ہم وطنوں نے ایک بار پھر دھوکہ کھایا اور پاکستانیوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے غیر ملکی شہریت اختیار کر لی تاکہ وہ محفوظ ہو کر بہتر توانائیوں کے ساتھ ملک و قوم کی خدمت کر سکیں۔ یہ ضروری بھی تھا کیونکہ تحفظ ہی وہ چٹان ہے جس پر کھڑے ہو کر انسان بڑے سے بڑے طوفان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ تارکینِ وطن تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ حکومتِ پاکستان ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں غیر قوموں کے سامنے اس طرح پھینک دینے کا تصور بھی کر سکتی ہے کہ وہ اپنا دفاع بھی نہ کر سکیں۔ نوائے وقت مورخہ ۲۰۔ نومبر ۹۲ء، حرمت ۲۶۔ نومبر ۹۲ء، اخبارِ جہاں ۱۵۔ اپریل ۹۳ء جنگ لنڈن اور کئی دوسرے جرائد میں چند ماہ سے جو خبریں آ رہی ہیں انہیں پڑھ کر تارکینِ وطن کے دلوں پر افسردگی سی طاری ہو گئی ہے۔ انہیں وطنِ عزیز سے اپنا تعلق ٹوٹتا دکھائی دیتا ہے۔ ویسے تو ویزا قوانین ہی ان کے لئے کسی بڑے صدمے سے کم نہ تھے کہ اب انہیں یہ کہا جا رہا ہے کہ جن ممالک میں دوہری شہریت کی سہولت موجود نہیں ہے وہاں کے تارکینِ وطن کو پاکستان میں

۱۹۴۶ء کے ایکٹ کے تحت عام غیر ملکی تصور کیا جائے گا۔ اس خبر نے ان کے گھروں میں ماتم کا سا سماں پیدا کر دیا ہے لیکن اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا' مارشل لاء دورِ حکومت کے بنائے ہوئے ایک قانون فارنرز آرڈر ۹ ستمبر ۱۹۸۴ء کے حوالے سے ان غریبوں پر ظلم و استبداد کی انتہا کر دی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے جو سرمایہ وطنِ عزیز میں اسے اپنا وطن سمجھ کر منتقل کیا اور اس سے جس قدر جائیداد خریدی ان کے لئے ضروری تھا کہ پہلے حکومت سے اجازت حاصل کرتے۔ نیز جو غیر ملکی مذکورہ حکم سے پہلے سے پاکستان میں بالواسطہ یا بلاواسطہ جائیداد رکھتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی جائیداد کے تمام کوائف حکومت کو جمع کرائیں اور یہ بھی بتائیں کہ یہ جائیداد کس مقصد کے لئے استعمال ہو گی۔ جو لوگ پاکستان کے حالات سے آشنا ہیں عمالِ حکومت کی چالاکیوں اور بداعمالیوں سے آگاہ ہیں انہیں خوفزدہ کرنے کے لئے یہ الفاظ کافی ہیں کہ وہ تمام جائیداد جو انہوں نے وطنِ عزیز میں بنائی ہے لیکن مذکورہ حکومتی ضابطے کے تحت اجازت حاصل نہیں کی کس آسانی سے ان سے چھینی جا سکتی ہے اور آئندہ کے لئے اگر وہ اپنے وطن میں کچھ بنانا چاہیں گے تو ان کے لئے ایسا کرنا کس قدر آسانی سے ناممکن بنایا جا سکتا ہے یا اس میں کس قدر رکاوٹیں ڈالی جا سکتی ہیں۔ یہاں یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ انہیں ویزے اور پاکستان میں پولیس رجسٹریشن سے متعلقہ فارن آرڈر سے استثنائی سہولت تو مرحمت فرمائی گئی لیکن فارن آرڈر ۹ ستمبر ۸۴ء کے متعلق نہ تو باخبر کیا گیا اور نہ ہی استثنائی سہولت دی گئی جب کہ یہ معاملہ زیادہ سنگین بھی تھا اور حکومت کا اخلاقی فرض تھا کہ تارکین وطن کو ایسے اہم معاملے سے بروقت باخبر کرتی تاکہ لوگ وطن کے دھوکے میں نہ رہتے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ ڈیوٹی فری شاپس میں کسٹم کا محکمہ پاکستانی اور بیرونِ پاکستانی شہری تصور کرتا ہے' انہیں ٹی وی' فریج وغیرہ بیچے جاتے ہیں لیکن جب ٹی وی اور فریج رکھنے کے لئے انہیں گھر کی ضرورت پڑتی ہے تو پھر انہیں غیر ملکی شمار کیا جانے لگتا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک محکمہ تو انہیں پاکستانی تصور کرتا ہے اور دوسرا غیر ملکی۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ بیرونِ ملک لاکھوں پاکستانی خاندانوں کو فضول پریشانیوں میں ڈال دیا جائے جب کہ روزگار کے سلسلے میں وطن سے دوری کوئی کم عذاب نہیں ہوتا۔ ابھی تک تو لوگ کوآپریٹو سوسائٹیوں والے ۱۷ ارب روپے کے سکینڈل کو بھی فراموش نہیں کر سکے اور اپنے زخموں کو چاٹ رہے ہیں کہ اوپر سے انہیں یہ روح فرسا خبریں پڑھنے کو مل رہی ہیں کہ پاکستان میں ان کے گھر بار بھی محفوظ نہیں اور حکومت کی طرف سے خاموشی لوگوں میں حکومت پر عدم اعتماد کے رجحان میں اضافے کا باعث بن رہی ہے۔

بنائیں کیا سمجھ کر شاخِ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ! کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا

مارشل لاء دور کا بنایا ہوا مذکورہ قانون تو اتنا بودا ہے کہ انسان جیسے جیسے اس پر غور کرتا ہے حکومت کی بے حسی کھل کر سامنے آجاتی ہے اور ایسے نظر آتا ہے کہ جو لوگ ۸۴ء سے پہلے سے پاکستان میں جائیداد کے مالک ہیں اور حکومت کو باقاعدہ پراپرٹی ٹیکس بھی ادا کر رہے ہیں۔ اس حکم کی رو سے انہیں تو منجمد کر کے رکھ دیا گیا وہ اپنی جائیداد کی آمدنی سے کچھ خریدنا چاہیں یا

اپنی جائیداد ایک جگہ سے فروخت کر کے دوسری جگہ خریدنا چاہیں تو انہیں حکومت سے اجازت لینا ہوگی جب وہ کسی جائیداد کا سودا کر کے اجازت کے پیچھے دوڑیں گے تو ان کی عدم موجودگی میں اسے کوئی اور خرید چکا ہوگا۔ نیز ہمارے ہاں ایک طرف فقہی قوانین ہیں اور دوسری طرف انگریزی۔ اب اگر ہم انہیں ۸۴ء کے ضابطے کے حوالے سے دیکھیں تو یوں لگتا ہے کہ اس قانون کو بنانے والے ان تارکینِ وطن کو شیعہ بنانا چاہتے ہیں۔ جن کے ہاں اولادِ نرینہ موجود نہیں ہے۔ مثلاً ایک سُنّی خاندان جو غیر ملکی شہریت کا حامل ہے۔ پاکستان میں ان کی کچھ جائیداد ہے' ان کے ہاں بیٹا نہیں ہے بیٹیاں ہیں۔ اب والدین محمڈن لاء کی دفعہ ۱۱۷ اور ۱۱۸ کی رو سے ایک تہائی سے زائد وصیت نہیں کر سکتے اور سنّی وراثتی قوانین کی رُو سے بیٹیاں اپنے والدین کی تمام جائیداد کی وارث قرار نہیں پاتیں۔ ان حالات میں ظاہر ہے' والدین کوشش کریں گے کہ وہ جائیداد اپنی زندگی میں بیٹیوں کے نام منتقل کر دیں لیکن یہاں ان کا سامنا ۹ ستمبر ۸۴ء کے حکومتی ضابطے سے ہوگا جس کے تحت انہیں منتقلی سے پہلے حکومت سے تحریری اجازت کی ضرورت ہوگی' پہلے انہیں پتہ ہی نہیں چلے گا کہ اجازت کہاں سے ملے گی۔ اگر خوش قسمتی سے معلوم ہو بھی جائے تو پھر انہیں پاکستان کے روایتی نظام سے سابقہ پڑے گا جس میں سے گذرے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں ہوتا۔ اس دوران اگر کوئی صاحب انہیں یہ بتائیں کہ جناب آپ تو ایسے ہی پریشان ہوتے۔ وطن آنے جانے پر اتنا خرچہ بھی اٹھایا۔ اگر آپ شیعہ تنظیم میں شامل ہو جائیں تو آپ کی بچیاں آپ کی پوری جائیداد کی وارث بھی ہو جائینگی اور حکومت سے اجازت حاصل کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ اب ذرا غور فرمائیں۔ ایسے حالات میں بچوں کے والدین کے لئے ایمان کی حفاظت کرنا کس قدر دشوار ہوگا؟

منزلِ مقصودِ قرآں دیگر است
رسم و آئینِ مسلماں دیگر است

دوسری طرف جب ہم اقوامِ عالم پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو صورت بالکل برعکس نظر آتی ہے۔ کیا حکومت یہ سمجھتی ہے کہ ہم اتنی آسانی سے اپنی شناخت اور جذبہ حب الوطنی سے دستبردار ہو جائیں گے۔ کیا ہمارے دینی و ملی جذبہ کو اس طرح چند نام نہاد آرڈرز سے دبایا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ پاکستانی شہریت محض CITIZENSHIP نہیں بلکہ یہ ہمارے ایمان و ایقان کی شرط اور تقاضا ہے۔ نسل، رنگ، زبان اور زمین پر کھینچی ہوئی لکیریں قوم نہیں بناتیں بلکہ تصورِ حیات اور ایمان ہی انسانوں کو ایک لڑی میں پروتا ہے۔ ہمارے بھائی آج بھی پاک فوج میں وطنِ عزیز کی سرحدوں کی حفاظت کی اہم ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ حکومت خون کے ان رشتوں کو بھی نہیں پہچان سکتی۔

یہاں یہ ذکر بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ زیادہ تر مردوں نے مقامی مسائل کے پیشِ نظر ان ممالک کی شہریت اختیار کی ہے جہاں وہ روزگار کے سلسلے میں مقیم ہیں خواتین نے نہیں لیکن مذکورہ قوانین سے بالواسطہ خواتین اور بچے بھی متاثر ہو رہے ہیں۔ یہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔ ہم فیڈرل گورنمنٹ آف پاکستان سے اپیل کرتے ہیں کہ تارکینِ وطن یعنی پاکستانی اوریجنز کو فوری طور

پرفارنر آرڈر ۹ ستمبر ۸۴ء سے مستثنیٰ کیا جاوے تاکہ یہ اپنے وطن میں پورے اطمینان اور قومی جذبے کے ساتھ سرمایہ کاری کر سکیں اور پاکستانی معیشت میں اپنا اہم کردار اور ملی فریضہ ادا کر سکیں جب تک انہیں قانونی تحفظ نہیں دیا جاتا' یہ غیر ممالک میں سرمایہ کاری پر مجبور رہوں گے۔

اسٹیٹ بینک کی جانب سے تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق بیرون ملک پاکستانیوں نے ۹۱-۱۹۹۰ء میں ۴۸ ارب روپے کی رقوم پاکستان بھجوائیں۔ جبکہ ۹۲-۱۹۹۱ء میں یہ رقم کم ہو کر صرف ۲۸ ارب روپے رہ گئی ہے۔ ڈر ہے اگر حکومت نے فوری کوئی ایکشن نہ لیا تو آئندہ سال اس سے بھی کم رقم پاکستان پہنچے گی۔ ہمیں کامل یقین ہے کہ اگر حکومت تارکینِ وطن کی خدمات کا احترام کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کرے' انہیں وطن میں سہولتیں مہیا کرے تو چند سالوں میں یہ رقم بڑھ کر ۴۸ ارب روپے کی بجائے ڈیڑھ کھرب سالانہ ہو سکتی ہے اور اس میں ملک و قوم کا مفاد ہے۔ ہم حکومتِ پاکستان سے یہ مطالبہ کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں اور یہی تقاضائے عدل و انصاف بھی ہے کہ وہ عقل و شعور سے کام لیتے ہوئے پاکستانیوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھے۔ دوہری شہریت والے ممالک میں جو پاکستانی ہیں اگر انہیں تمام شہری حقوق دیئے گئے ہیں تو ان ممالک کے پاکستانیوں کے جذبات کا بھی لحاظ کیا جائے۔ جہاں یہ سہولت موجود نہیں کیونکہ اس میں ان بے چاروں کا قطعاً کوئی جرم نہیں۔ لہٰذا ہمارا یہ دینی اور اجتماعی مطالبہ ہے کہ جس کی والدہ کی شہریت پاکستانی ہو یا پاکستانی رہی ہو اس انسان کا پیدائشی حق ہے کہ اسے پاکستانی شہری تسلیم کیا جائے' اس سے ایک طرف پاکستانی شہریت کا وقار بلند ہوگا۔ دوسرے وہ تمام الجھنیں بیک جنبشِ قلم ختم ہو جائیں گی جو آج تک تارکینِ وطن کا مقدر بنی رہی ہیں۔ البتہ ان کی شناخت کے لئے اگر حکومت شناختی کارڈ کافی نہیں سمجھتی تو انہیں گرین کارڈ کی قسم کا ایک کارڈ جاری کیا جائے جس کا نام جناح کارڈ رکھا جائے۔ ناروے میں پاکستانی سفارتخانہ کے ناظم الامور خضر حیات خان صاحب جو بڑے دردمند اور فرض شناس افسر ہیں اور پاکستانیوں کے مسائل پر بڑی گہری نگاہ رکھتے ہیں' نے بھی اپنے ایک خط میں ڈائریکٹر ای ۲ محترمہ شیریں اے مویزہ کے نام لکھا ہے اور حکومت سے سفارش فرمائی ہے کہ ناروے جن شہریت کے حامل پاکستانیوں کو جناح کارڈ کے نام سے ایک ایسی دستاویز کا اجراء کیا جائے جس سے یہ اپنی شناخت بحال رکھ سکیں اور انہیں پاکستان میں جائیداد خریدنے کی بھی اجازت ہو۔ آخر میں ہم سیکنڈے نیویا، ہالینڈ، جرمنی، فرانس، اٹلی اور تمام دنیا کے پاکستانیوں کی قومی حمیت کو جھنجھوڑنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ نئی نسل کو عیسائیت کے جبڑوں سے محفوظ کرنے کے لئے متحد ہو کر تحریک حقوقِ تارکینِ وطن کے لئے جدوجہد کا آغاز کریں۔ ہم پاکستان کے جیالوں' خاص طور پر میڈیا سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے غریب الوطن پاکستانی بھائیوں' مائوں' بہنوں اور بیٹیوں کو مارشل لاء دور کے مذکورہ قانون سے نجات دلانے کے لئے میدانِ عمل میں آئیں اور تب تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک حکومت ان گمنام مجاہدین کو اپنے ہی وطن میں بے وطن بنانے کے آمرانہ ارادے ترک نہیں کر دیتی۔ ہم پاکستان اور بیرون پاکستان تمام سیاسی' مذہبی اور سماجی تنظیموں سے خدا اور رسولِ عربی کے واسطے سے پُرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس جہاد میں اپنے تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ہمارے موقف کی حمایت میں جو کچھ ان سے بن پڑے

کریں تاکہ تارکینِ وطن کی آنے والی نسل اسلام اور پاکستان سے اپنا تعلق قائم رکھ سکے اور یہ بچے مستقبل میں ہم پر فخر کر سکیں۔ یہی وقت کا اہم ترین تقاضا بھی ہے۔ خدا ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔ پاکستان پائندہ باد۔

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیرِ امتیازِ ما و تو رہنا

والسلام

محمد اسلم
صدر پاکستان نارویجین سوسائٹی

حقائق و عبر

بارڈر کے اُس پار

وہ مشہور زمانہ سوالات جن کی گونج بارڈر کے اُس پار بھی سُنائی دینے لگی ہے اور جواب وہاں سے بھی وہی مل رہا ہے جو طلوعِ اسلام شروع ہی سے دہراتا چلا آرہا ہے۔

○

س:۔ کیا قرآن کو بغیر احادیث کے سمجھا جا سکتا ہے؟

ج:۔ یہ سوال عموماً ایسے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے جو قرآن کو مجمل، غیر مفصل اور ناکافی و نامکمل سمجھتے ہیں اور اللہ کی کتاب کو انسانی کتابوں اور روایات کا محتاج مانتے ہیں۔ جب کہ اللہ نے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ قرآن مکمل ہے مفصل ہے، نہایت واضح ہے، اس میں کوئی کمی نہیں، کجی نہیں ہے اور نہ کوئی چیز لکھنے سے رہ گئی ہے۔ اور یہ کہ ہم نے اپنی آیتوں کو کھول کھول کر نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ کسی کو اسی وقت نظر آسکتا ہے جب کہ نزولِ قرآن کے ایک اہم مقصد کو پورا کرتے ہوئے اس پر تدبر کیا جائے۔ عقل و فکر سے کام لیا جائے اور ذہنوں پر پڑے ہوئے تقلیدی تالوں کو توڑا جائے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد: ۲۴) "پس لوگ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے۔ کیا ان کے ذہنوں پر اس کے لئے تالے پڑے ہوئے ہیں؟" نیز یہ کہ "تمہاری طرف ایک مبارک کتاب نازل کی گئی ہے جس کی ایک غرضِ نزول یہ ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر تدبر کیا کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کرتے رہیں۔" (ص: ۲۹)۔ خود حضورِ اکرمؐ بھی تصریفِ آیات کے ساتھ درس دیا کرتے تھے۔ آپؐ نے الگ سے اپنی کوئی تفسیر نہیں کی۔ روائتوں یا حدیثوں کے ذریعہ قرآن کی جو کچھ تفسیر و تشریح پیش کی جاتی ہے وہ بعد کی پیداوار ہے جسے زبردستی حضورِ اکرمؐ سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ فرمایا۔

"اے رسولؐ! ہم اسی طرح اپنی آیات پھیر پھیر کر لاتے ہیں (تاکہ تصریفِ آیات کے ساتھ آپ درس دیں)

اور اس طرح لوگ پکار اٹھیں کہ واقعی آپؐ نے ہمیں خوب سمجھا دیا ہے اور تاکہ ہم عقلمندوں کے لئے اپنی آیتوں کی خود تبیین (وضاحت) کر دی۔" (انعام: ۱۰۵)

س:۔ آیت اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول سے کیا اللہ اور رسولؐ کی دو الگ الگ اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے؟ اور کیا رسولؐ اللہ کی اطاعت، روایات و احادیث کے ذریعہ کی جائے گی؟

ج:۔ جی نہیں۔ اللہ اور رسولؐ کی دو الگ الگ اطاعتوں کا دین (قرآن) میں کوئی تصور تک نہیں ہے۔ اطاعت "حکم" کی ہوتی ہے اور صاحبِ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ فرمایا:

ان الحکم الا للہ

"اللہ کے سوا کسی کا حکم ہے ہی نہیں"

اور یہ کہ لا یشرک فی حکمہ احدًا

"وہ اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا"

حضور اکرمؐ خود اللہ کے مطیع تھے۔ آپؐ کو حکم دیا گیا تھا:۔ اتبع ما اوحی الیک من ربک اور واتبع ما یوحی الیک۔ "اے رسولؐ! اسی کتاب کی اتباع کیجئے جو آپؐ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے۔" چنانچہ حضور اکرمؐ کی زبان سے کہلوایا گیا کہ

ان اتبع الا ما یوحی الی

"میں صرف اور صرف اسی کتاب کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔"

دنیا میں جتنے بھی نبی، رسول آئے تو وہ لوگوں کو "اللہ کا پیغام" (اللہ کی کتاب) پہنچانے آئے تھے، اپنی اطاعتیں کروانے یا الگ سے اپنا کوئی پیغام دینے نہیں آئے تھے۔ فرمایا: "کسی بشر کو یہ زیبا نہیں کہ اللہ اسے کتاب، حکومت اور نبوت عطا کرے۔ پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کے ساتھ میرے بھی بندے بن جاؤ (یعنی اللہ کی بھی اطاعت کرو اور میری بھی اطاعت بجالاؤ) بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم ربانی بن جاؤ (خالص اللہ کا حکم مانو) کیونکہ تم اللہ ہی کی کتاب کی تعلیم و تدریس کرتے ہو۔" (آلِ عمران: ۷۹)

حضور اکرمؐ اللہ کے رسول تھے۔ یعنی اللہ کا پیغام (کتاب) اللہ کے بندوں تک پہنچانے والے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رسول۔ "محمدؐ صرف اللہ کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔" ما علی الرسول الا البلغ۔ "رسول کے ذمہ صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔" لہٰذا، اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا مطلب ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو یعنی اس کے حکمنامہ قرآن کی اطاعت کرو جو اس نے رسولِ عربیؐ کے ذریعہ تمہاری طرف نازل فرمایا ہے۔"

اس سے اللہ اور رسولؐ کی دو الگ الگ اطاعتیں مراد لینا خلافِ قرآن ہے۔ گویا اللہ نے خود ہی رسولِ اکرمؐ کو اپنے حکم میں شریک ٹھہرا کر (معاذ اللہ) شرک فی الحکم کی تعلیم دی ہو۔ اسی لئے فرمایا:

وما ارسلنا من رسولٍ الا لیطاع باذن اللہ۔

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ اسکی اطاعت اللہ کے حکمنامہ (کتاب اللہ) کے ذریعہ کی جائے۔"

نیز سورۂ نساء میں وضاحت فرما دی کہ جس نے رسول کی (یعنی رسول کے ذریعہ بھیجے گئے ہمارے ضابطے و کتاب کی اطاعت کی، گویا کہ اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔ فرمایا: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ رسالت یعنی پیغام کی اطاعت ہی دراصل پیغام دینے والے (اللہ) اور پیغام پہنچانے والے (رسولؐ) کی اطاعت ہے۔

یاد رکھئے کہ اسلام اطاعتِ واحدہ کا علمبردار ہے اور اطاعتِ واحدہ صرف اللہ کی ہے جو اس کے حکمنامہ (قرآن) کے ذریعہ ہوگی جسے رسولِ امین لائے اور بلاکم و کاست ہم تک پہنچا دیا اور خود بھی اسی کے مطیع و فرمانبردار رہے۔ یہ کہنا اور سمجھنا کہ رسولِ اکرمؐ قرآن کے سوا بھی امت کو الگ سے کچھ باتیں (حدیثیں) دے گئے ہیں، گویا رسولِ اکرمؐ پر بہتان باندھنا اور ناموسِ رسالت کو داغدار کرنا ہے۔ (اللھم احفظنا)۔

(پندرہ روزہ حق و باطل، بابت ۱۶ جون ۱۹۹۳ء)

انتخابات، علماء اور دینی جماعتیں

ملک میں انتخابات کی ایک بار پھر آمد ہے۔ سیاسی عمل پر انتخابات کا انعقاد کوئی انوکھی بات نہیں۔ اقتدار کے لئے علماء کرام کی حرص یقیناً توجہ طلب ہے۔ کیا ہم نے ہوم ورک کر لیا ہے جو اس کوچہ میں سرگرداں ہیں۔ موجودہ دور کے کتنے مسائل ہیں جن پر ابھی شرعی راہ نمائی کے منتظر ہیں، کتنے فیصد علمی بنیادوں پر عمل کام ہوا ہے۔ محض پھڑے دار تقریروں، جذباتی نعروں اور فرقہ واریت کے مارے چند جنونی افراد کے بل بوتے پر گوشۂ سیاست میں مشقِ سخن ذرا ٹیڑھا معاملہ ہے۔

(شمس الاسلام، بابت اگست، ص ۳)

کیا یہ سچ ہے؟

ماہنامہ "المرشد" لاہور مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کی "تنظیم الاخوان" کا ترجمان ہے جس کی اشاعت جولائی ۱۹۹۳ء میں محترم مولانا کی جو تقریر "مسلمان تو ہوں مگر....." کے زیرِ عنوان شائع ہوئی ہے، اس سے ایک اقتباس ذیل میں نقل کرتے ہوئے ہم سابق وزیرِ اعظم محمد خاں جونیجو مرحوم کے ورثاء اور حکومتِ پاکستان سے سوال کرتے ہیں کہ کیا مولانا نے سچ فرمایا ہے؟ جونیجو مرحوم کا شمار "نئے پاکستان" کے نسبتاً شریف النفس اور بدعنوانیوں سے حتی الامکان پاک حکمرانوں میں ہوتا ہے، اگر ان کے بارے میں بھی یہ لرزہ خیز انکشاف درست ہے تو دوسروں کے متعلق جو بھی کہا جائے، ماننا پڑے گا۔

اور کیا دیکھنے کو باقی ہے آپ سے دل لگا کے دیکھ لیا

"میں چلا گیا بالٹی مور مجھے جانا تھا اپنے پروگرام میں' وہیں وہ ہسپتال ہے جس میں ہمارے ملک کے نامور وزیر اعظم کا وصال ہوا' محمد خاں جونیجو صاحب کا' تو نیچرلی آدمی کے دل میں بات تو ہوتی ہے آخر پورے ملک کے وزیر اعظم تھے تو میں نے پوچھا بھئی یہاں فوت ہوئے تھے کس طرح فوت ہوئے کیا حال ہوا۔ وہاں ایک ڈاکٹر صاحب تھے ان سے گزارش کی تو وہ کہنے لگے یہاں تو کوئی محمد خاں جونیجو نہیں مرا بھائی۔ نہ آیا یہاں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں کمال کرتے ہو یار ساری دنیا میں وہاں ٹیلیویژن پر سنا اخبارات میں دھوم مچی آپ کے اس جان ہاپکنز ہسپتال کی۔ میری لینڈ بالٹی مور میں ہے تو انہوں نے کہا کہ اچھا بھائی کل دیکھیں گے تو دوسرے دن انہوں نے مجھے کمپیوٹر کی رپورٹ بھجوا دی۔ کمپیوٹر کی رپورٹ میں اوپر ایک جملہ ہے' ایک شخص محمد خاں جونیجو جس کی تاریخِ ولادت فلاں ہے اور وہ جان بکسی کے نام سے امریکہ میں رہتا ہے بکس بی جان BIX BY JOHN یعنی یہاں آپ کا وزیر اعظم امریکہ کا شہری ہے بکس بی جان کے نام سے۔ اس لئے کہ یہاں سے جو کچھ لوٹا جاتا ہے وہ بکس بی جان کے اکاؤنٹ میں وہاں جمع ہوتا ہے اور جب علاج کے لئے وہاں تشریف لے گئے تو بکس بی جان داخل ہوا اس جان ہاپکز ہسپتال میں اور وہاں بکس بی جان مرا اور اس کے سرہانے باقاعدہ صلیب گاڑی گئی اور نرسوں نے باقاعدہ اپنے شانے پہ صلیب بنا کر بکس بی جان کو رخصت کیا۔ یہاں ان غریبوں سے غائبانہ جنازے پڑھائے جاتے ہیں جن کا خون چوس کر یہ لوگ کیا لیتے ہیں۔ ارے یار یہ اسلامی حکومتیں ہیں اور یہ مسلمان ہیں۔ اب مجھے یہ فرصت نہیں ملی کہ نواز شریف کا امریکہ نام کیا ہے اور اسحاق خاں کس نام سے وہاں جیتا ہے۔ ہوں گے ان سب کے اور وہ تو اتفاقاً ہوا اور میرے یہ وہم و گمان میں نہیں تھا میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا مجھے تو ویسے ہی ہمارے ملک کا وزیر اعظم ہونے کے ناطے خیال آگیا کہ پتہ تو کریں یار ہم بھی یہاں بیٹھے ہیں یہ سامنے ہسپتال ہے اور ڈاکٹر بھی اپنا برخوردار ہے اس میں کام کرنے والے ہمیں بھی جانتے ہیں تو پوچھیں تو سہی کہ آخر وہ کیا ہوا تو انہوں نے کہا کہ جی وہ تو بکس بی جان یہاں فوت ہوئے تھے اور یار کوئی ریٹائر ہوتے ہوتے مسلمان کے لئے کوئی رکنے کی جگہ ہے بھی سہی۔"

(ہفت روزہ 'ندائے خلافت' بابت ۱۲ ستمبر ۱۹۹۳ء)

بچوں کا صفحہ

اسلامی معاشرت
علامہ غلام احمد پرویزؒ

تعاون

۳

دنیا میں کوئی شخص بھی ہر ایک کام اکیلا نہیں کر سکتا۔ اسے دوسروں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کی مدد کرنے کو تعاون کہتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہر ایک کام میں دوسروں کی مدد کریں؟ ایک ظالم، کسی غریب آدمی کو ناحق پیٹ رہا ہے؟ کیا ہم اس پیٹنے والے ظالم کی مدد کریں یا مظلوم کی مدد کریں۔ ظاہر ہے کہ ہمیں مظلوم کی مدد کرنی چاہیئے۔ قرآنِ کریم نے باہمی تعاون کے لئے ایک اصول بیان کر دیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ

کس کی مدد کرنی چاہیئے

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ (۵/۲)

"بر اور تقویٰ کے معاملات میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ لیکن اثم اور عدوان کی باتوں میں مدد نہ کرو۔"

برّ و تقویٰ

برّ کے معنی ہیں وسعت، کشادگی۔ یعنی ایسے کام جن سے فراخی اور کشادگی ہو، جن سے زیادہ سے زیادہ انسانوں کا فائدہ ہو۔

تقویٰ کہتے ہیں خدا کے بتائے ہوئے احکام

اور قوانین کی پوری پوری نگہداشت کرنا۔ ان کے مطابق زندگی بسر کرنا۔

لہٰذا مندرجہ بالا آیت کے پہلے حصّہ کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ خدا کے قانون کے مطابق ایسے کام کریں جن میں زیادہ سے زیادہ انسانوں کا فائدہ ہو تو ایسے کاموں میں ان کی مدد کرو۔

اِثم و عدوان

اثم کہتے ہیں اونٹ کے تھک کر قطار سے پیچھے رہ جانے کو۔ اس لئے ہر وہ کام جس سے انسانی ترقّی کی رفتار سُست پڑ جائے اِثم ہے۔

عدوان کہتے ہیں سرکشی کو۔ یعنی خدا کے قانون کی مخالفت کرنا، اس سے سرکشی برتنا۔

لہٰذا مندرجہ بالا آیت کے دوسرے حصّہ کا مفہوم یہ ہوا کہ جو لوگ خدا کے احکام سے سرکشی اختیار کریں اور ایسے کام کریں جن سے انسانی ترقّی سُست پڑ جائے، ان کی مدد نہیں کرنی چاہیئے۔

مطلب یہ ہوا کہ جن کاموں کو قرآن شریف نے اچھا قرار دیا ہے ان میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور جن کاموں کو اس نے بُرا کہا ہے ان میں کسی کی مدد نہ کرو۔